چاندی پور کے قیمتی جواہرات

چاندی پور کے ایک زمیندار اپنے بیش قیمت خاندانی زیورات کو اپنے وارثوں کو سونپ دینا چاہتے ہیں۔ ایک بدمعاش اُن زیورات کی تلاش میں ہے۔ اس سے بچانے کے لیے زمیندار نے زیورات کو چُھپا دیا ہے۔ جب ان کے دو نواسے اور ایک نواسی ان سے ملنے آتے ہیں۔ وہ اپنے بڑے نواسے پروین کو اس جگہ کے بارے میں بتاتے ہیں جہاں انھوں نے زیورات چھپائے تھے لیکن پروین پوری طرح سے سمجھ نہیں پاتا۔ زیورات کی تلاش کرتے کرتے بچوں پر کیا گزرتی ہے۔

انگریزی ایڈیشن : 1986
اُردو ایڈیشن : 2003
تعدادِ اشاعت : 3000
© چلڈرن بک ٹرسٹ، نئی دہلی۔
قیمت : 30.00 روپے

This Urdu edition is published by the National Council for Promotion of Urdu Language, M/o. Human Resource Development, Department of Secondary and Higher Education, Govt. of India West Block-I, R. K. Puram, New Delhi, by special arrangement with Children's Book Trust and Bachchon Ka Adabi Trust, New Delhi and printed at Indraprastha Press (CBT), New Delhi.

چاندی پور کے
قیمتی جواہرات

مصنف : نیلیما سنہا
مصور : جگدیش جوشی
مترجم : نازنین
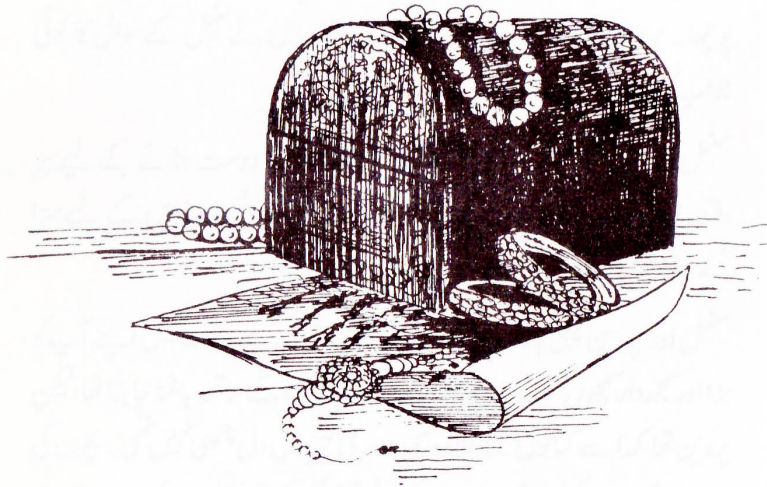
چلڈرن بک ٹرسٹ ☆ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان ☆ بچوں کا ادبی ٹرسٹ

سفر

بس تیزی سے سائیکل، رکشا اور پیدل چلنے والوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی۔ کچے گھر، چائے کی دکانیں، سڑک پر کھیلتے بچے سب پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ سنیل تیزی سے بھاگتی بس کی کھڑکی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ شہر ختم ہو گیا تھا اور سڑک کے دونوں طرف ہرے بھرے کھیت نظر آنے لگے۔

''کیا یہ سرسوں کے کھیت ہیں؟'' سنیل نے اپنے بھائی پروین کی طرف مڑکر پوچھا۔ پروین اپنی کتاب پڑھنے میں منہمک تھا۔ اس نے سنیل کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔

سنیل دس سال کا خوش مزاج اور باتونی لڑکا تھا جو نئے دوست بنانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا۔ وہ اتنا باتونی تھا کہ بہت زیادہ دیر خاموش رہنا اس کے لیے سزا کے برابر تھا۔

سنیل اور پروین پہلی بار اپنے والدین کے بغیر سفر کر رہے تھے۔ سنیل اپنے آپ کو بڑا اور سمجھ دار سمجھ رہا تھا۔ وہ اپنی خوشی اور تجربے کو کسی کے ساتھ بانٹنا چاہتا تھا، لیکن پروین تھا کہ اسے کتابوں کے علاوہ کسی دوسری چیز میں دل چسپی نہیں تھی۔ بچوں کی والدہ نے پروین کو بس میں پڑھنے کے لیے منع بھی کیا تھا۔ لیکن وہ کہاں ماننے والا تھا۔ ابھی بھی وہ کتاب پر آنکھیں گاڑے پڑھنے میں مشغول تھا۔

سنیل نے پروین کو کہنی مار کر کہا ''اب پڑھنا بند بھی کرو۔''

''اوں، ہوں، کیا ہے؟''

"کتاب بند کرو۔ اس طرح سے تمھاری آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔"

"ارے بابا چپ ہو جاؤ" پروین بڑبڑایا اور سنیل کی طرف گھور کر اپنے چشمے کو اوپر کھسکا لیا۔

پروین سنیل سے دو سال بڑا تھا لیکن اس کا قد اور صحت اچھی تھی۔ وہ سنیل سے ایک فٹ لمبا تھا۔ اس کے برعکس سنیل نازک اور چھوٹا تھا۔ اسی وجہ سے پروین اپنے آپ کو عقلمند اور بڑا سمجھتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے بڑے اور سمجھ دار ہونے پر فخر محسوس کرتا تھا۔

اُس کے پاس اپنی دال گلتی نہ دیکھ سنیل اپنی بہن ساریکا کی طرف مڑا۔ ساریکا ان دونوں سے بڑی، خوب صورت اور پُرکشش لڑکی تھی۔

"دیدی چاندی پور ابھی کتنی دور ہے؟" سنیل نے اس سے پوچھا۔

ہم وہاں کس وقت پہنچیں گے؟ ساریکا مسکرائی "ابھی تو چلے ہیں! کیا تم ابھی سے تھک گئے ہو؟"

سنیل نے مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں تو میں تو ایسے ہی جاننا چاہتا تھا"۔

ساریکا نے سمجھاتے ہوئے کہا "پچھلے میل کے پتھر سے پتا لگتا ہے کہ ہم پٹنہ سے 3 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکے ہیں۔ پتا جی نے کہا تھا کہ چاندی پور 52 کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ ابھی ہمیں 49 کلومیٹر کا اور فاصلہ طے کرنا ہے۔ ہماری بس 30 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے۔ اس حساب سے ہمیں چاندی پور پہنچنے میں ایک گھنٹہ 35 منٹ اور لگیں گے،" ساریکا حساب میں بہت تیز تھی۔ الجبرا اس کا پسندیدہ مضمون تھا اور وہ کلاس میں ہمیشہ اوّل آتی تھی۔

تھوڑی دیر میں سنیل نے پھر پوچھا۔ "دیدی، ہم کیا چاندی پور کے قلعے میں رہیں گے؟ وہاں تو بڑا مزہ آئے گا"

جب ماں چھوٹی تھی تو کیا وہیں رہتی تھی؟"

ساریکا نے جواب دیا۔ نہیں! بے وقوف! ماں دوسرے محل میں رہتی تھی جب وہ چھوٹی تھی۔ وہ قلعہ تو ان کے بزرگوں نے بہت عرصے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ ماں کے خاندان والے دادا کے بنائے محل میں رہنے لگے تھے۔ یہ سب کچھ عجیب سا لگتا ہے نا!

"کیا تم نے چاندی پور دیکھا ہے؟" سنیل نے پھر پوچھا۔

ساریکا نے سر ہلا کر کہا "میں کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ میں وہاں پہلے گئی ہی نہیں اور ہاں شادی کے بعد ماں بھی پھر کبھی چاندی پور نہیں گئی۔"

"کیوں؟ کیا انھیں چاندی پور اچھا نہیں لگتا تھا؟"

"ایسا نہیں تھا۔ انھیں اپنا گھر بہت پیارا تھا۔ انھوں نے یہ بات ایک دفعہ مجھے بتائی تھی۔ لیکن نانا جی ماں اور پتا جی کی شادی سے ناراض تھے۔ اسی لیے انھوں نے پھر کبھی وہاں جانے کی ہمّت نہیں کی۔

سنیل نے پریشان ہو کر پھر پوچھا۔ "کیا نانا جی نے انھیں شادی کے بعد کبھی نہیں بلایا؟" سنیل سوچنے لگا یہ بڑے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔

"نہیں۔ کبھی نہیں۔ جب کہ ماں ان کی واحد اولاد تھی اور ان کی ساری زمین اور جائداد کی اکیلی وارث تھی"۔

اوہ۔ کیا نانا جی بہت دولت مند ہیں؟"

"ہاں! ماں نے بتایا کہ وہ زمیندار تھے۔ ان کے پاس بہت ساری زمین تھی۔ اپنے

علاقے میں وہ ''راجہ صاحب'' کہلاتے تھے۔ ماں کبھی کبھی اپنے بچپن کے عیش و آرام کی زندگی کے بارے میں بتاتی تھی۔ نوکر چاکر ہاتھی، گھوڑے، امیری کے سبھی وسائل موجود تھے۔ ان کی زندگی بہت ہی خوشیوں بھری ہوگی۔

لیکن ماں اور پتاجی کی جب شادی ہوئی تھی تو ناناجی اتنے ناراض کیوں ہو گئے تھے؟ کیا اُن کو پتاجی اچھے نہیں لگتے تھے؟ میرے پتاجی تو دنیا بھر میں سب سے اچھے آدمی ہیں''۔ سنیل نے ایک ہی بار میں کئی سوال زور دے کر پوچھے۔

کیوں کہ پتاجی دوسری ذات کے تھے اس لیے۔ تم اس کا مطلب نہیں سمجھو گے؟'' پروین نے اپنی کتاب نیچے رکھی اور بولا ''ہماری ماں معزز خاندان راجپوتوں کی بیٹی ہے۔ کیا تم نے اپنی تاریخ کی کتاب میں راجپوت راجاؤں کے بارے میں نہیں پڑھا ہے؟''

''ہاں پڑھا ہے۔ میں تمھیں اُن کے نام بتاؤں؟ مہارانا پرتاپ......اور......اور......''

اور پرتھوی راج چوہان۔ راجہ مان سنگھ راٹھور اور بندیلے''۔ پروین طوطے کی طرح بولتا گیا۔ ''دیکھو مجھے کتنے ناموں کا پتا ہے؟'' کیوں کہ میں پڑھتا ہوں۔ میں سارا دن تمھاری طرح بک بک نہیں کرتا رہتا''۔

''لیکن اس سے ماں اور پتاجی کا کیا تعلق ہے؟'' سنیل نے پھر پوچھا۔

''ارے اتنا بھی نہیں سمجھتے ہو۔ راجپوت لوگ کسی دوسری ذات میں شادی نہیں کرتے۔'' پروین نے سمجھایا۔

''پتاجی راجپوت نہیں ہیں۔ جب ناناجی کو پتا لگا کہ ماں پتاجی سے شادی کرنا چاہتی ہیں تو وہ غصّے سے آگ بگولہ ہو گئے۔ ماں نے ناناجی کی اجازت کے بغیر ہی شادی

کرلی۔ شادی کے بعد ناناجی پھر اُن سے کبھی نہیں ملے۔ نہ ہی اُنھوں نے بلایا اور نہ ہی ممی اُن سے کبھی ملنے آئیں''۔

''اور اب ناناجی بہت بیمار ہیں''۔ ساریکا نے کہا۔ ماں کے پاس اُن کے ڈاکٹر کا خط آیا تھا، اس میں لکھا تھا۔ ناناجی ہم سب کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن خط میں ماں اور پتاجی کے بارے میں کچھ نہیں لکھا تھا۔ اس لیے ہم لوگ وہاں اکیلے جا رہے ہیں۔ ہمیں لینے کوئی بس اسٹینڈ پر ضرور آئے گا''۔

پروین بولا۔ ''اگر کوئی نہیں بھی آئے گا تو ہم اکیلے ہی وہاں پہنچ کر انھیں حیران کردیں گے''۔

''ہم ایسا نہیں کریں گے''۔ ساریکا نے جواب دیا۔ ماں کہہ رہی تھی کہ محل گاؤں سے کافی دور ہے''۔

''ہاں۔ ہاں لڑکی ہو نہ۔ تم کیوں پیدل چلوگی۔ آپ میم صاحب کو تو گاڑی چاہیے''۔

''تم کو پیدل جانا ہو تو جاؤ۔ میں تو نہیں چلوں گی''۔ ساریکا نے فوراً پلٹ کر جواب دیا۔

پھر سب خاموشی سے باہر کے مناظر دیکھنے لگے۔ وہ کسی گاؤں سے گزر رہے تھے۔ کچے گھروں کا یہ گاؤں تھا۔ گھروں کی دیواروں پر اُپلے لگے ہوئے تھے۔ سنیل کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ گر کیوں نہیں رہے تھے۔

گاؤں کے چھوٹے چھوٹے بچے ننگ دھڑنگ سڑکوں پر کھیل رہے تھے۔ سڑک پر چلتی گاڑیوں اور بسوں سے اُڑنے والی دھول مٹی اُن کے جسم پر جم گئی تھی۔ بزرگ عورتیں اور مرد ڈوبتے ہوئے سورج کا لطف اُٹھا رہے تھے۔

سنیل اپنے نانا جی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ بہت غصّے والے شخص ہوں گے۔ تبھی تو شادی کے بعد ماں پھر کبھی نانا جی کے پاس نہیں گئی۔ وہ نانا جی کی شخصیت کو تصور میں دیکھنے لگا۔ لمبے چوڑے آدمی ہوں گے۔ اُن کی سفید لمبی داڑھی ہوگی۔ لال لال آنکھیں اور کھڑی ناک ہوگی۔

اس خیالی سوچ نے اسے ایک بھیانک دیو کی یاد دلادی۔ اس دیو کی کہانی اس نے کتاب میں پڑھی تھی۔ ایسے جھگڑالو شخص سے ملنے کی اسے بالکل خواہش نہیں تھی۔

فاصلہ کم ہوتا جارہا تھا۔ اب چاندی پور صرف ایک کلومیٹر رہ گیا تھا۔ بچے جوش سے بھرے تھے۔ یہاں تک پروین نے بھی اپنی کتاب بند کردی تھی۔ کچھ گھاس پوس کے بنے گھر اور چھپر دکھائی دینے لگے۔ کچھ دکانیں اور آخر میں پہلا سائن بورڈ، جس پر چاندی پور لکھا تھا۔ بس وہاں پہنچ کر رُک گئی۔

محل

پروین لپک کر اپنا سوٹ کیس اُٹھایا اور سواریوں کو چیرتا ہوا بس کے دروازے کی طرف بڑھا۔ سنیل اور ساریکا بھی اپنے چھوٹے بیگ اُٹھا کر اس کے پیچھے بڑھے اور ایک ایک کر کے وہ بس سے نیچے اُتر کر کھڑے ہوگئے۔

گاؤں کے بچوں کی بھیڑ اُن کو بغور دیکھتے ہوئے اُن کے چاروں طرف جمع ہوگئی۔

پروین نے اُن سے پوچھا ''کیا کوئی ہمیں محل سے لینے آیا ہے؟''

اس سوال کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ سارے گاؤں والے بچے کھی کھی کر کے ہنسنے لگے۔

پروین کو غصّہ آگیا۔ ''چلو پیدل ہی چلیں۔ یہی راستہ ہوگا''۔ شہر سے باہر جانے والے راستے پر چلتے ہوئے پروین بولا۔ سب پیدل ہی چلنے لگے۔ تبھی انھوں نے کچھ فاصلے پر اُڑتی دھول دیکھی۔ وہ ایک جیپ تھی جو ہارن بجاتی ہوئی بچوں کے قریب آ کر رُک گئی۔

ایک نوجوان باہر نکلا۔ ان کے قریب آ کر بولا ''ہیلو، ہیلو''۔ ارے کیا میں دیر سے آیا ہوں۔ میں بہت شرمندہ ہوں''۔

پھر جیپ کی طرف مڑتا ہوا بولا ''ریکس جلدی باہر نکلو اور بچوں سے ملو''۔

تبھی ایک بڑا بھورے رنگ کا السیشین کتا کود کر جیپ سے باہر آگیا۔ اس نے بھونکتے ہوئے اپنا پنجہ آگے بڑھادیا جیسے ہاتھ بڑھا کر پوچھ رہا ہو'' کیسے ہو''۔ پروین کو بڑا مزہ آیا لیکن ساریکا پیچھے ہٹ گئی۔

’’ارے ڈرو نہیں۔ اس کی عادت بہت اچھی ہے؟ نوجوان نے کہا۔

’’ریکس سے ہاتھ ملاؤ‘‘۔

سارِیکا نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ ریکس کے پنجے سے چھودیا۔’’ بھوں بھوں‘‘۔ ریکس پھر بھونکا۔

سنیل، ریکس سے بالکل نہیں ڈرا۔ ریکس اسے سب طرف سے سونگھنے لگا۔

’’آؤ، تم سب جیپ میں بیٹھو‘‘۔ نوجوان نے کہا۔

ہم پندرہ منٹ میں محل پہنچ جائیں گے۔ کیا وہ سب تم لوگوں کا سامان ہے؟ ارے ہاں میں نے اپنا تعارف تو کرایا نہیں۔’’میں راکیش ہوں۔ تمھارا میرا بھائی میرے پردادا اور تمھارے پرنانا سگے بھائی تھے‘‘۔

وہ سب جیپ میں بیٹھ گئے۔ ریکس بھی کود کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پھر ہارن بجا اور دھول اُڑاتی ہوئی جیپ چل پڑی۔

جیپ ہچکولے کھاتی، اُچھلتی ہوئی، کچے راستے پر آگے بڑھ رہی تھی۔ بچے سانس روکے اپنی سیٹ پر ہوشیاری سے بیٹھے تھے۔ جیپ نے ایک چھچھلی ندی کو پار کیا اور گول پتھروں پر پھسلتی ہوئی پھر کچے راستے پر آگئی۔

جیسے ہی جیپ ایک موڑ پر مڑی۔ راکیش بولا۔’’بس ہم پہنچنے ہی والے ہیں‘‘۔ اور سامنے ایک پرانے قلعے کی دیواریں صاف نظر آنے لگیں۔

’’وہ دیکھو۔ وہ کتنا شاندار لگ رہا ہے‘‘۔ پروین نے چہکتے ہوئے کہا۔

’’کتنا بڑا قلعہ ہے۔ کیا یہاں کوئی رہتا ہے‘‘۔

’’میں رہتا ہوں‘‘۔ سب کو حیرت زدہ کرتے ہوئے راکیش نے کہا۔

قلعہ بالکل ویران نہیں ہے۔ میرا خاندان اپنے حصّے کے کمروں میں اب بھی رہتا ہے۔ تمھارے پرنانا اپنے کمرے بند کرکے دوسرے محل میں رہنے چلے گئے تھے۔ ان کو قلعے میں بہت اکیلا پن لگتا تھا۔ لیکن میرے پردادا یہیں رہتے رہے اور میں بھی یہیں رہتا ہوں''۔

سنیل نے قلعے کی پرانی سلیٹی رنگ کی دیواروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو بڑی خاموش اور ویران جگہ ہوگی''۔ میں تو یہاں کبھی نہیں رہ سکتا''۔ ساریکا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔'' میں بھی یہاں رہنا نہیں چاہوں گی''۔

پروین نے کہا۔'' میں تو رہ سکتا ہوں''۔ راکیش بھائی کیا میں قلعہ دیکھنے آسکتا ہوں۔

ہاں ضرور لیکن آج نہیں۔ پہلے تم نانا جی سے مل لو۔ وہ تم لوگوں سے ملنے کے لیے بہت بے تاب ہورہے ہیں''۔

قلعے میں بھاری لکڑی کے کیل لگے دروازے تھے۔ وہ سب دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ راکیش نے دروازے کو دکھاتے ہوئے کہا۔

''دروازے میں چھوٹے چھوٹے سوراخ دیکھ رہے ہو نا۔ غدر کے دوران برٹش فوجی اسے توڑ کر قلعے میں گھسنا چاہتے تھے''۔

پروین نے دہرایا۔''اچھا 1857ء کے انقلاب میں''۔

راکیش نے جیپ کو موڑ کر ایک لوہے کے دروازے کے سامنے روک دی اور کہا۔ ہاں ہم سب یہاں آپہنچے ہیں۔ یہ محل ہے۔

ایک چوکیدار جو پہرے دار تھا اس نے پھاٹک کھول دیا۔ جیپ گول سڑک پر گھومتی

ہوئی گھر کی سیڑھیوں کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔

پروین سوچنے لگا۔'' یہ محل جیسا تو بالکل نہیں لگتا بلکہ یہ تو ایک اچھا خاصا بڑا سا مکان ہے''۔

جیپ کے رکتے ہی سب سے پہلے ریکس باہر کود گیا اور وہ دوڑ کر سیڑھیوں کے پاس جا کر بچوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ سنیل اور ساریکا جیپ کے پاس ہی کھڑے رہے۔ پروین تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ اپنے نانا جی سے ملنے کے لیے بے تاب تھا۔ اسے اپنے نانا جی کا کوئی خوف نہیں تھا۔ دراصل وہ منصوبہ بنا رہا تھا کہ ماں سے خراب برتاؤ کرنے کے لیے وہ نانا کو ضرور کھری کھری باتیں سنائے گا۔ سامنے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی لالٹین لیے ہوئے باہر نکلا۔

بچوں کو دیکھ کر وہ بولا۔'' ارے۔ تم آگئے ہو''۔ اور اس نے اونچی آواز میں پکارا۔ '' جگن، رامو آؤ۔ بچے آگئے ہیں۔ جلدی سے لالٹین لے کر آؤ۔

آوازیں سن کر کچھ اور لوگ بھی آگئے۔ وہ لوگ ہاتھوں میں لالٹین لیے ہوئے تھے۔ وہ انھوں نے سیڑھیوں پر رکھ دیں۔'' یہاں تو بجلی نہیں ہے۔ کام کیسے چلتا ہوگا''۔ پروین سوچنے لگا۔

رامو نام کا ایک بزرگ نوکر جیپ کے پاس گیا اور پوچھنے لگا'' سامان کہاں ہے؟ ارے یہ رہا۔ او جگن اس سامان کو اندر لے چلو''۔

'' آپ سب فکر مت کیجیے، ہم لے چلیں گے''۔ پروین نے سوٹ کیس اُٹھاتے ہی نرم لہجے میں کہا۔

پروین اپنا کام خود کرنے کا عادی تھا۔ اس نے ضد کر کے اپنا سوٹ کیس اُٹھالیا۔

وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے۔ شمع دان میں موم بتیاں جل رہی تھیں۔

انھوں نے پہلے کبھی اتنا بڑا کمرہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے ماتا پتا کے ساتھ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے تھے۔ ان کی ماں سارا کام خود کرتی تھی۔ ساریکا اور لڑکے بھی مدد کرتے تھے۔

پروین نے آہستہ سے ساریکا اور سنیل سے کہا۔ ''کیا شاندار جگہ ہے''۔

نوکران کا سامان اندر لا رہے تھے۔ سنیل نے چاروں طرف سر گھما کر دیکھا۔ کمرہ طرح طرح کی چیزوں سے سجا ہوا تھا۔ سامنے کی دیوار پر ببر شیر کا سر غرانے کے انداز میں لٹکا ہوا تھا۔ اس کے لال لال جبڑے اور نکیلے دانت دکھائی دے رہے تھے۔

دیوار پر شکار کی دوسری ٹرافیاں بھی لگی ہوئی تھیں اور بارہ سنگھے کے سینگ، باگھوں کے سر اور کھالیں اس کمرے کی سجاوٹ بڑھا رہی تھیں۔ ایک دوسری دیوار پر طرح طرح کے ہتھیار بھی لٹکے ہوئے تھے۔ طرح طرح کی تلواریں اور نیزیں بھی تھے جو شاید پرانے زمانے کے لوگوں نے استعمال کیے ہوں گے۔

یہاں سب کچھ دل لبھانے والا تھا۔ سنیل نے سوچا کہ صبح ہونے پر ان سب کو قریب سے دیکھے گا۔ لیکن اس کے نانا کہاں تھے؟ وہ کیسے ہوں گے؟ وہ یہی سوچتا رہا۔
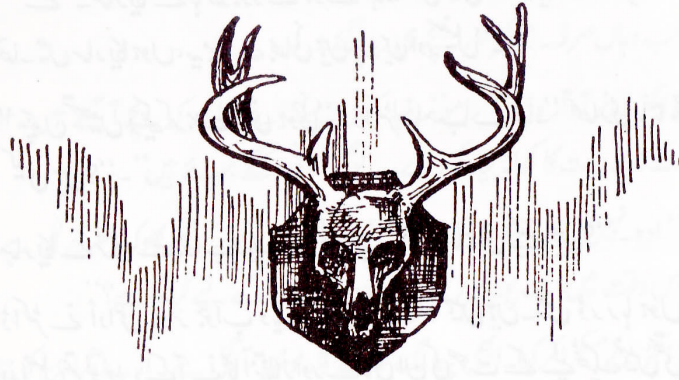
مُنیا

دیوار سے گھورتے ہوئے جانوروں کے سر ساریکا کو اچھے نہیں لگے۔ لیکن صوفے قیمتی اور گدگدے تھے۔ موم بتی کی روشنی میں پورا کمرہ پُرکیف لگ رہا تھا۔

''تو یہ بچے ہیں!''

ساریکا نے مڑ کر دیکھا کون بول رہا ہے۔ اس نے دیکھا کہ دائیں طرف کے دروازے سے ایک قدآور شخص داخل ہوا۔

''بچوں، کیسے ہو؟ میں ڈاکٹر پرساد ہوں۔ تمھیں سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی''۔

یہی وہ ڈاکٹر تھے جو نانا جی کا علاج کر رہے تھے اور جنھوں نے ماں کو خط لکھا تھا۔

''نمستے''۔ ساریکا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''جی نہیں'' شکریہ! ہمارا سفر خوشگوار تھا۔ میں ساریکا ہوں، یہ میرے بھائی ہیں پروین اور سنیل''۔

''بچوں تمھیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی''۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ ''تمھاری ماتا جی کیسی ہیں؟''

ساریکا نے نرمی سے جواب دیا۔ ''وہ اچھی ہیں شکریہ! نانا جی کیسے ہیں؟''

ڈاکٹر نے اُداس ہوکر جواب دیا۔ ''بالکل ٹھیک تو نہیں ہیں۔ میں ڈر رہا ہوں۔ دراصل تم لوگوں کے آنے کا انتظار اور بے تابی ان کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے میں نے انھیں نیند کی دوا دی ہے۔ وہ اس وقت سو رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے''۔

کیا ہم اُن سے ابھی نہیں مل سکتے؟'' پروین نے اُداس ہوکر پوچھا۔

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''نہیں، تم سب کل صبح تک انتظار کرو''۔ یہ سن کر ساریکا نے چین سانس لی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ نانا جی سے ملنے کا وقت صبح کا طے ہوا ہے۔ صبح روشنی میں ماحول ضرور بدل جائے گا۔

جب بچوں کا وہاں قیام ہوگیا تو راکیش نے رخصت چاہی۔

''اچھا۔ اب میں چلتا ہوں''۔ مجھے امید ہے تم سب یہاں پر ٹھیک ہوں گے؟''

''ہاں۔ یہاں لانے کا آپ کا شکریہ''۔ ساریکا نے جواب دیا۔

بہت بہت شکریہ! پروین نے بھی کہا۔ کل آیئے گا۔

نمسکار، سنیل بولا۔ ریکس نمسکار۔

ریکس دُم ہلاتے ہوئے سنیل کا ہاتھ چاٹنے لگا۔ وہ بھونکتا ہوا راکیش کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اُتر گیا۔

اب وہاں صرف ڈاکٹر اور بچے ہی رہ گئے۔

ڈاکٹر نے آواز دی۔ ''رامو''۔ منیا کہاں ہے؟ اسے بتا دو کہ بچے آگئے ہیں۔ ان کے لیے رات کا کھانا تیار کردے۔ یہ لوگ کافی تھکے ہوئے ہیں''۔

''اوہ۔ نہیں۔ میں تھکا ہوا نہیں ہوں''۔ پروین نے کہا۔ مجھے بھوک ضرور لگی ہے۔ اس وقت میں ایک پورا مرغ کھا سکتا ہوں کھانے کے لیے کیا بنا ہے؟''

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ابھی پتہ لگ جائے گا۔ لو مُنیا آگئی ہے۔ ارے منیا ان کو بتاؤ کہ کھانے میں کیا بنا ہے۔

منیا کو دیکھ کر ساریکا کے ذہن میں آیا۔ ''یہ لڑکی بڑی عجیب سی لگتی ہے''۔ منیا اسی کی ہم عمر تھی۔ لیکن اس سے بہت الگ تھی۔ ساریکا گوری تھی اور منیا کالی۔ اس کے

سانولے چہرے پر چمکتی ہوئی آنکھیں اور موتیوں جیسے سفید دانت اچھے لگ رہے تھے۔

منیا نارنجی رنگ کی ساڑی پہنے تھی اور اس کے تیل سے چپچپاتے کالے بالوں کے بیچوں بیچ مانگ میں سیندور بھرا ہوا تھا۔اس کی بھری مانگ کو دیکھ کر ساریکا کو بہت حیرانی ہوئی۔شادی شدہ عورتوں کی یہی نشانی ہے۔کیا منیا کی شادی ہوگئی ہے۔اتنی چھوٹی عمر میں؟''

ساریکا نے اسے گھورا۔اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔منیا نے بھی اسے گھورا اور پھر ساڑی کا ایک کونا منہ میں دبا کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

منیا رامو کی بیٹی ہے۔ ڈاکٹر نے کہا۔ یہ تمھارا سب کام کرے گی۔ منیا بچوں کو اُن کے کمرے میں لے جاؤ۔ان کی ضرورت کی سب چیزیں بھی وہاں پہنچا دو''۔

منیا نے سرہلا کر ہامی بھری اور ہاتھوں میں لالٹین اُٹھا کر بچوں کو ان کا کمرہ دکھانے چل پڑی۔

پروین اور سنیل کو ساتھ ساتھ ایک کمرے میں رہنا تھا۔ساریکا کو دوسرے کمرے میں سونا تھا اور اس کے ساتھ منیا بھی اس کے ساتھ سوئے گی۔

منیا نے بچوں کا سامان کھولنے میں مدد کی اور ان کے ہاتھ منہ دھونے کے لیے گرم پانی لے آئی۔

ساریکا منیا سے باتیں کرنے لگی۔

''تم کیا یہیں رہتی ہو؟''

''نہیں۔ وہاں اپنی ماں بابوجی کے ساتھ''۔ اس نے باہر کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا۔

''تمھاری عمر کیا ہے؟''

منیا نے ہنس کر سر ہلا دیا۔ بولی۔''پتا نہیں''۔

ساریکا کو اس بات پر بہت حیرانی ہوئی۔''گھر میں تو سب لوگ اپنا پیدائش کا دن یاد رکھتے ہیں۔اس دن سالگرہ مناتے ہیں اور تحفے لیتے ہیں۔آخر ساریکا نے وہ بات پوچھ ہی لی جسے جاننے کے لیے وہ بہت بے تاب تھی۔

''تم سیندور کیوں لگاتی ہو؟'' کیا تمھاری شادی ہوچکی ہے۔

''ہاں۔اس نے شرما کر جواب دیا اور ساڑی سے اپنا منہ چھپالیا۔

اس کی صرف دو چمکتی ہوئی آنکھیں ساڑی میں سے گھور رہی تھیں۔

''بہت دن پہلے، مجھے یاد بھی نہیں ہے۔لیکن میں ابھی اپنی سسرال نہیں گئی ہوں۔

اچھا! ساریکا نے پوری بات سمجھے بنا ہی کہا۔ اب اور باتیں کرنے کا وقت نہیں تھا۔کیوں کہ کھانے کے لیے بلاوا آگیا تھا۔

سب بچے کھانے کے کمرے میں پہنچ گئے ۔ رامو اور جگن گرم گرم کھانا میز پر لگا رہے تھے۔ساریکا نے دیکھا کہ پروین نے اپنی پلیٹ میں بہت سارے چاول اور مرغ کا سالن ڈال لیا ہے۔گھر پر ماں اسے ایسا کرنے پر ٹوک دیتی تھی۔اس نے سوچا پروین کو بہت زیادہ بھوک لگی ہے۔

کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آکر دونوں لڑکے فوراً سو گئے۔

منیا بھی نیچے چٹائی بچھا کر سوگئی۔اس کے پلنگ کے قریب،لیکن ساریکا کو نیند نہیں آرہی تھی۔اس کے سانس لینے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دے رہی تھی۔

ساریکا اپنے نانا جی کے بارے میں سوچنے لگی۔ آخر انھوں نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔ اگر وہ ہماری ماں کو ناپسند کرتے ہیں تو ہم بچوں سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ ہمیں یہاں محل میں رہنے کے لیے کہیں گے! یہ محل واقعی بہت خوب صورت ہے لیکن اپنے ماتا پتا کے بغیر ہمیں یہاں رہنا بالکل اچھا نہیں لگے گا۔ اس کی ماں کو چاندی پور بہت پسند تھا۔ انھوں نے ساریکا کو وہاں کی بہت سی کہانیاں بھی سنائی تھیں۔

ماں جب کبھی بھی محل کی باتیں کرتی تھیں تو اُداس سی ہو جاتی تھیں۔ اپنی ماں کی اُداس نظروں کو یاد کر کے ساریکا کو نانا جی پر بہت غصہ آیا۔

کافی دیر سوچتے سوچتے ساریکا بھی سوگئی۔ تینوں بچے اپنے نانا جی کو خواب میں الگ الگ دیکھ رہے تھے۔ جن سے انھیں اگلے دن ملنا تھا۔

ملاقات

پرندوں کی چہچہاہٹ سن کر سنیل گہری نیند سے جاگ گیا۔ گھر پر ماں اسے روز جگاتی تھی۔ پھر اسے یاد آیا کہ وہ گھر سے کتنی دور ہے اور ماں یہاں نہیں ہے۔ وہ بھی کتنا بے وقوف ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں انھیں نانا جی سے ملنا ہے۔ نہ جانے وہ کس طرح کے آدمی ہوں گے۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں پھر بند کرلیں۔

''ہیلو۔کون کون جاگ گیا ہے؟'' ساریکا کی آواز دوسرے کمرے سے آئی۔

پروین نے آنکھیں ملتے ہوئے جواب دیا۔''روز کی طرح میں ہی سب سے پہلے اُٹھا ہوں۔سنیل اُٹھ کر بیٹھ گیا۔اس نے اس بات سے انکار کیا۔

''میں پہلے اُٹھا تھا تم نہیں''۔

''نہیں۔تم نہیں اُٹھے تھے۔تم تو سو رہے تھے۔ میں پہلے اُٹھا ہوں''۔

''نہیں تم جھوٹ بول رہے ہو۔میں پہلے اُٹھا تھا''۔

''نہیں۔تم نہیں اُٹھے تھے''۔

''ہاں۔میں اُٹھا تھا''۔

اس جھگڑے میں سب کی نیند ہوا ہوگئی اور سب جاگ گئے۔

تیار ہونے میں منیا نے بچوں کی مدد کی اور پھر انھیں کھانے کے کمرے میں لے گئی۔ بچوں نے جب ناشتہ ختم کرلیا۔تبھی ڈاکٹر صاحب ان کے پاس آئے۔

''چلو بچوں۔تمھارے نانا جی جاگ گئے ہیں اور تم سے ملنا چاہتے ہیں۔

آخر وہ لمحہ بھی آ ہی پہنچا۔

بچے خاموش اور چپ چاپ ڈاکٹر کے پیچھے تھے۔سنیل اندر جانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن ساریکا اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی۔ نانا جی کے کمرے کا دروازہ کھولا اور پروین ڈاکٹر صاحب کے پیچھے تھا۔اس کے بعد ساریکا اور سنیل تھے۔

یہ کمرہ بہت بڑا تھا۔ ایک طرف آبنوس کی لکڑی کا بنا پلنگ تھا۔ دوسری طرف صوفہ اور کرسیاں رکھی تھیں۔سنیل کی نظریں اپنے اجنبی نانا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

ڈاکٹر نے آہستہ آواز میں کہا'' راجہ صاحب۔ میں بچوں کو لے آیا ہوں''۔

تبھی سنیل نے دیکھا۔شاندار پلنگ پر نیلے ساٹن کی رضائی اوڑھے بوڑھے نانا جی راجہ صاحب لیٹے ہوئے ہیں۔ سر پر سفید جھریوں دار چہرے پر اونچی کھڑی ناک،ان کی رعب دار شخصیت کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ زیادہ عمر کی وجہ سے تیز آنکھوں کی نگاہ دھندلا گئی تھی۔ وہ بچوں کو گھور رہے تھے۔سب سے پہلے پروین پلنگ کے قریب پہنچا۔

بزرگ نے پوچھا۔'' یہ کون ہے؟''سنیل کو ان کی آواز بہت ہلکی لگی آواز اتنی دھیمی تھی کہ اس کو دھیان دینے پر ہی سنا جا سکتا تھا۔ پروین نے آگے بڑھ کر ادب سے کہا'' جی! میں پروین ہوں''۔

پروین کی عادت ایسے آہستہ بولنے کی نہیں تھی۔

بزرگ نے پروین کو سر سے پیر تک دیکھا۔ پروین کو ذرا عجیب لگا۔ پھر بھی وہ نانا جی کی طرف دیکھتا رہا۔

سنیل نے دل ہی دل میں سوچا،'' پروین نے بڑی ہمت دکھائی ہے''۔

'' کیا تم سب سے بڑے ہو؟'' نانا جی نے بہت ہلکی آواز میں پوچھا۔

پروین نے ساریکا کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔'' جی نہیں۔ یہ رہی میری سب سے بڑی بہن ساریکا''۔

سنیل نے محسوس کیا کہ نانا جی نے جب ساریکا کو غور سے دیکھا تو ان کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

پھر نانا جی نے ایک لمبی سانس لی۔ آہستہ سے بڑبڑائے۔

'' بالکل اپنی ماں جیسی ہے''۔انھوں نے سرگوشی کی۔

نانا جی سو گئے؟'' سنیل سوچنے لگا۔

تبھی اسے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ ان کی بند پلکوں کے نیچے آنسو کی بوندیں چمک رہی ہیں۔

یکا یک ان کی پلکیں کھل گئیں اور آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آئیں اور انھوں نے اونچی آواز میں پوچھا'' اور تم کون ہو؟'' یہ سوال اونچی آواز میں پوچھا گیا۔

سنیل کے دل میں آیا کہ وہ کمرے سے بھاگ جائے۔لیکن وہ بھاگا نہیں اور اس نے ہکلا کر جواب دیا۔'' نانا جی۔ میں، میں سنیل ہوں''۔

'' آؤ بیٹے میرے پاس آؤ''۔ ان کے چہرے پر نرمی کا احساس تھا اور پوپلے منہ پر مسکراہٹ تھی۔

سنیل پلنگ کے بہت قریب آیا۔ نانا جی نے اپنا ہاتھ آہستہ سے اُٹھا کر اس کے سر پر رکھا۔سنیل ان کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں جھانک کر مسکرا اُٹھا۔ اب اسے اپنے نانا جی سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ جیسے اس نے سوچا تھا ویسے تو نانا جی نہیں
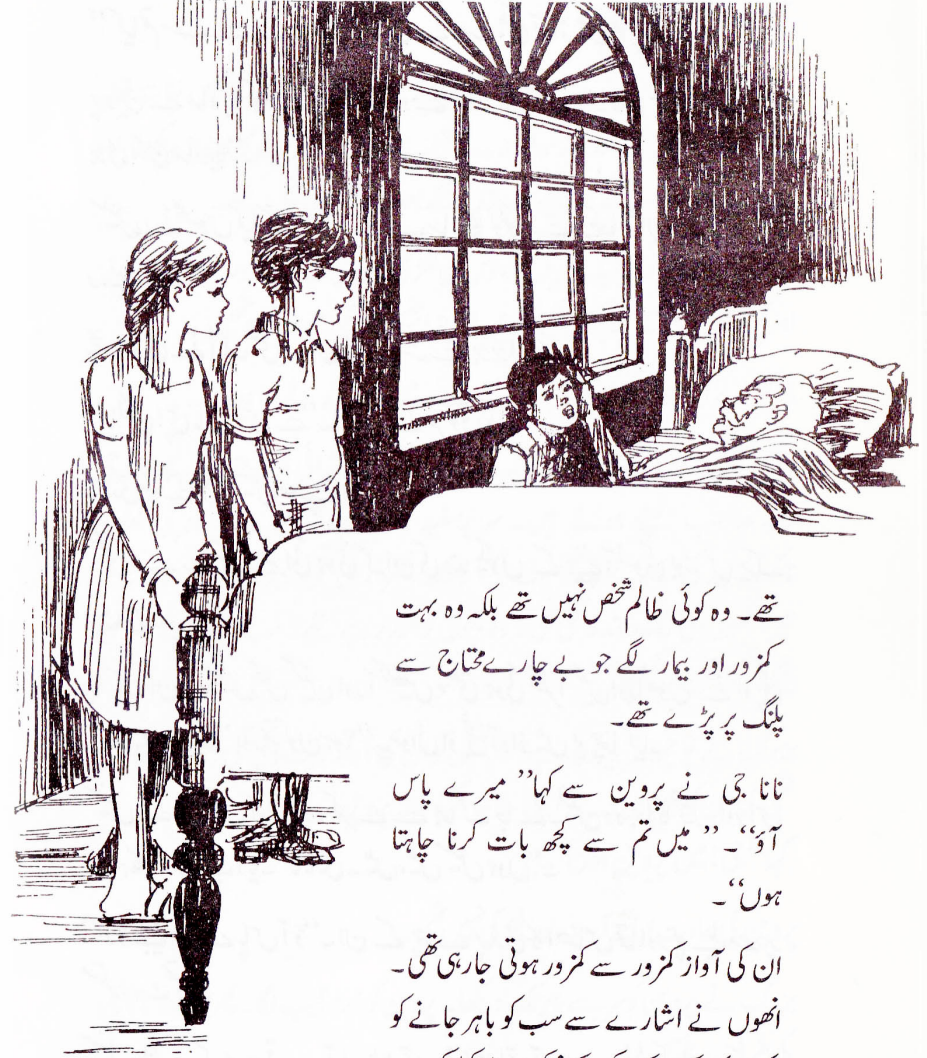
تھے۔ وہ کوئی ظالم شخص نہیں تھے بلکہ وہ بہت کمزور اور بیمار لگے جو بے چارے محتاج سے پلنگ پر پڑے تھے۔

نانا جی نے پروین سے کہا'' میرے پاس آؤ''۔ '' میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں''۔

ان کی آواز کمزور سے کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ انھوں نے اشارے سے سب کو باہر جانے کو کہا۔ پھر ایک ایک کر کے نوکر اور ڈاکٹر کمرے سے باہر چلے گئے۔ پروین نانا جی کے اور قریب آ گیا اور ان کی باتیں دھیان سے سننے

کے لیے نیچے جھک گیا۔

سنیل نانا جی کے کچھ ہی الفاظ سن پایا۔ ہوشیار، راز، لال کمرہ۔ ہرا...... جلدی''۔

نانا جی بڑی مشکل سے بول رہے تھے۔ ان کی آواز صاف نہیں تھی اور کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ یکا یک وہ بولتے بولتے رُک گئے۔ ان کا سر ایک طرف لڑھک گیا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔

سنیل کو ایسا لگا شاید نانا جی کا انتقال ہو گیا ہے۔ لیکن وہ زندہ تھے۔ اگلے ہی لمحے سانس کی حرکت سے رضائی اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ سنیل نے سکون کا سانس لیا۔

پروین اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنا چشمہ ٹھیک کر کے پکارا۔

'' ڈاکٹر صاحب۔ ڈاکٹر صاحب۔ جلدی آیئے۔ شاید نانا جی بے ہوش ہو گئے ہیں''۔

سب لوگ اُن کے پلنگ کی طرف دوڑے۔

'' کیا ہوا؟'' ڈاکٹر صاحب جاننا چاہتے تھے۔

پروین نے جواب دیا۔ '' وہ ہم سے بات کرتے کرتے اچانک ہی چپ ہو گئے''۔

ڈاکٹر نے فوراً پوچھا۔ '' انھوں نے کیا کہا؟''

'' کوئی خاص بات نہیں۔ صرف یہی کہ وہ ہم سے مل کر بہت خوش ہوئے ہیں اور اسی طرح کی باتیں''۔

'' بس اتنا ہی؟''

'' ہاں''

سنیل جانتا تھا کہ پروین سچ نہیں بول رہا ہے۔ نانا جی نے ضرور اس سے کوئی اور بھی خاص بات کہی تھی۔ شاید یہ راز کی بات ہو۔اس لیے وہ بھی اس بارے میں چپ ہی رہے گا۔

تینوں بچے کمرے سے نکل گئے اور دوسرے لوگ نانا جی کی دیکھ بھال میں لگ گئے۔

کمرے سے نکلتے ہوئے ساریکا نے جلدی سے پوچھا۔'' پروین۔نانا جی نے تم سے کیا کہا تھا؟''

پروین نے منہ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔'' یہاں نہیں، بعد میں بتاؤں گا''۔

وہ اسے گھر سے باہر باغ میں لے گیا۔باغ بہت ہی خوب صورت تھا۔ایک طرف بڑا سا تالاب تھا جس میں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔پیڑوں کے بیچ مٹی کے گملے جو رنگوں سے سجے ہوئے تھے،ان میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔کہیں کہیں بیٹھنے کے لیے بینچیں بنی ہوئی تھیں۔تینوں بچے ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

''قریب آؤ''۔ پروین نے کہا۔

پروین نے چاروں طرف دیکھا کہ کہیں کوئی آس پاس تو نہیں ہے۔

'' نانا جی نے مجھے کچھ دستاویز ڈھونڈنے کو کہا ہے۔ وہ کاغذ لال کمرے میں کسی پوشیدہ جگہ پر رکھے ہوئے ہیں۔انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ کئی اور لوگ بھی ان کی تلاش میں ہیں۔اس لیے یہ کام بہت ہوشیاری اور دھیان سے کرنا ہوگا۔ ان ہی کاغذوں سے یہ پتہ لگے گا کہ نانا جی کی صدیوں سے جمع کی ہوئی دولت اور زیورات کہاں رکھے ہیں۔نانا جی نے یہ بھی کہا کہ وہ صرف ہمارے اور ماں کے لیے ہیں''۔

ہمیں ان کاغذوں کو جلد ہی ڈھونڈنا چاہیے۔کہیں کسی دوسرے کے ہاتھ نہ لگ جائیں''۔

''لیکن وہ کاغذ کہاں چھپے ہوئے ہیں؟'' ساریکا نے پوچھا۔

''وہ یہ نہیں بتا سکے۔ہاں وہ کسی ہری آنکھ کے بارے میں کہہ رہے تھے تبھی وہ بے ہوش ہو گئے''۔

ساریکا نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔اس سے تو کوئی مدد نہیں ملے گی۔

سنیل نے مشورہ دیا۔پہلے لال کمرے کو تلاش کرو شاید ہری آنکھ وہیں مل جائے۔

پروین نے سنیل کی کمر تھپتھپاتے ہوئے کہا'' شاباش۔ میرے چھوٹے ہوشیار بھائی۔یہ بہت اچھا آئیڈیا ہے۔مجھے تو اس کا دھیان ہی نہیں آیا''۔

سنیل دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ پروین کبھی کسی کی تعریف آسانی سے نہیں کرتا ہے۔اس نے بھی اُچھل کر اپنی ہی پیٹھ تھپتھپائی۔''ہاں۔دیکھو میں کتنا سمجھدار ہوں''۔

''شش۔کوئی آرہا ہے''۔

ساریکا پھاٹک کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''اوہ۔یہ تو راکیش اور ریکس ہیں''۔سنیل بولا۔

''آؤ ریکس آؤ۔تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔

ہیلو راکیش۔کیا تم جانتے ہو،ہم خزانہ ڈھونڈنے جارہے ہیں۔اب خوب مزہ آئے گا۔کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ لال کمرہ کہاں ہے؟'' راکیش نے کچھ پریشان سا ہوکر پوچھا۔

"کون سا خزانہ؟"

سنیل نے دیکھا! پروین اس کو غصّے سے دیکھ رہا ہے۔

ساریکا ایک جھاڑی کے پیچھے چلی گئی اور منہ پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کرنے لگی۔ تبھی اسے یاد آیا کہ اس نے تو بہت بڑی بے وقوفی کر دی اس راز کو کھول دیا جو اسے نہیں بتانا چاہیے تھا۔

اوہ، کچھ نہیں۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ یہ مذاق تھا۔ ہا۔ ہا۔ "ارے یہ تو سب مذاق تھا؟ ہا۔ ہا۔ ہی۔ ہی اسے ہنستا دیکھ سب ہنسنے لگے۔ لیکن راکیش نہیں ہنسا۔ اس نے تیکھی نظروں سے تینوں کی طرف دیکھا۔

لال کمرہ

پروین کو سنیل پر بہت غصّہ آ رہا تھا۔ ایسی بے وقوفی وہی کر سکتا تھا۔ اس نے اسے پہلے خبردار کیا تھا کہ یہ بات راز میں رکھنی ہوگی۔ لیکن سنیل کے پیٹ میں کوئی بات ہضم نہیں ہوتی۔ وہ سب کچھ کہہ دیتا ہے۔ اس نے راکیش کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثر دیکھے۔ کیا وہ سمجھ گیا تھا کہ بچے اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں؛ اب انھیں واقعی بہت ہوشیار رہنا ہوگا کہ اس بات کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ خاندان میں پروین ہوشیار مانا جاتا تھا۔ یہ اس کی ذمّے داری تھی کہ وہ خزانے کا پتہ لگائے۔ اس کے نانا جی نے بھی یہ راز بتانے کے لیے اسے ہی چنا تھا۔

پروین۔ ہاں! اسے ان کاغذوں کا پتہ لگانا ہے تاکہ زیورات حاصل ہو سکیں۔ لیکن سب سے پہلے اسے لال کمرے کے بارے میں پتہ لگانا ہے۔ وہ کہاں واقع تھا۔

دوپہر کے کھانے میں ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ اس کے نانا جی کی حالت اب پہلے سے بہتر ہے۔ بچوں سے ملنے کی وجہ سے وہ بہت جذباتی ہو گئے تھے اور وہ بے ہوش ہو گئے لیکن اب وہ سکون سے سو رہے ہیں۔

راکیش نے بھی دوپہر کو بچوں کے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ ریکس سنیل کے پاس بیٹھا ہڈی چبا رہا تھا۔ راکیش نے اسے کچھ نہ دیا۔ لیکن سنیل بہت اچھا تھا۔

کھانے کے بعد پروین نے طے کیا کہ وہ منیا سے لال کمرے کے بارے میں پوچھے گا۔ لیکن سیدھے اس سے سوال کرنے پر کہیں اس کو شک نہ ہو جائے۔

راکیش، ساریکا اور سنیل تاش کھیلنے لگے۔ پروین کھانے کے کمرے میں ہی رُکا رہا۔

وہاں منیا میز صاف کرنے اور برتن اُٹھانے میں رامو کی مدد کر رہی تھی۔

پروین نے اس سے پوچھا۔ ''یہ گھر کتنا خوب صورت ہے۔ ہے نا؟ یہ کتنا بڑا بھی ہے''۔

جواب رامو نے ہی دیا۔ ''ارے صاحب! اب کیا رہ گیا ہے۔ جب رانی صاحبہ زندہ تھیں تو اس گھر کی شان دیکھنے لائق تھی۔ ہر کمرہ روشنی سے جگمگاتا تھا۔ عطر اور دھوپ کی خوشبو چاروں طرف پھیلی رہتی تھی۔ خوب دعوتیں ہوتی تھیں۔ عمدہ عمدہ کھانے بنتے تھے اور ہلکی موسیقی ہر طرف بجتی تھی۔ چاندی پور مشہور تھا اپنی دعوتوں کے لیے اور یہاں بہار کے راجہ، نواب اور زمیندار جمع ہوتے تھے۔ انگریزوں کے زمانے میں گورنر، ڈپٹی کمشنر بھی ان دعوتوں میں شامل ہوتے تھے۔ وہ دن اب کہاں رہے۔ رامو نے ایک لمبی سانس لی۔

پروین یہ سن کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے پوچھا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

اوہ! اس نے ایک آہ بھر کر جواب دیا۔ رانی صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔ راجکماری جی گھر چھوڑ کر چلی گئیں۔ اس کے بعد راجہ صاحب کو کسی چیز کا کوئی شوق نہ رہا۔ پرانے نوکر بھی ایک کے بعد ایک یہ شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ اب یہاں کچھ ہی نوکر رہے گئے ہیں۔ اب تو اس محل کی دیکھ بھال کے لیے کوئی نہیں رہ گیا۔ اتنے بڑے محل کو برباد ہوتے دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے۔ لیکن میں کیا کرسکتا ہوں۔ میں تو صرف ایک نوکر ہوں۔

پروین نے کہا ''میرا دل چاہتا ہے سارا گھر دیکھوں۔ کیا میں دیکھ سکتا ہوں''۔

''ضرور دیکھیے۔ مُنیا تو چھوٹے صاحب کو سارا گھر دکھادے۔ منیا نے ٹرے رکھ دی

اور بولی۔ ''ہاں۔ آؤ میرے ساتھ۔

پروین بولا۔ ''ساریکا اور سنیل کو بھی بلالیں۔ مجھے یقین ہے کہ انھیں بھی محل دیکھنے میں بڑا مزہ آئے گا۔

منیا اُن کو ساتھ لے کر محل دکھانے چل دی۔ راکیش ان کے ساتھ نہیں آیا۔ وہ اخبار پڑھتا رہا۔ پروین نے سوچا۔ بہت اچھا ہوا راکیش کو کیا پتہ کہ یہ کس مقصد سے محل دیکھنے جارہے ہیں؟ ریکس ان کے ساتھ ضرور چلے گا۔ وہ کہیں بھاگ کر آگے بڑھ جاتا اور پھر مڑ کر دیکھتا کہ سب اس کے پیچھے آرہے ہیں یا نہیں۔

منیا سب سے پہلے انھیں بڑے بینکٹ ہال میں لے گئی۔ یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا۔ اس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور دیواروں پر شیشے لگے ہوئے تھے طرح طرح کے شیشے کے جھاڑ فانوس چھت سے لٹکے ہوئے تھے۔ اب ان پر لائنیں پڑگئی تھیں اور چمک کم ہوگئی تھی۔

''یہ کمرہ بہت سالوں سے استعمال نہیں کیا گیا''۔ منیا نے لمبی سانس لے کر کہا۔

جب وہ ایک گلیارے سے گزر رہے تھے تو منیا نے دیواروں کی طرف اشارہ کر کے کہا ''دیکھو کتنی سندر ہیں یہاں کی تصویریں، دیواروں پر شکنتلا اور دُشینت کی پوری کہانی رنگین تصویروں کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ تصویریں واقعی بہت سندر ہیں۔

دوسرے گلیارے میں راجہ ہریش چندر کی کہانی دکھائی گئی ہے۔ ایک اور گلیارے کی دیواروں پر شری کرشنا کی بال لیلا کی تصویریں ہیں۔ بچوں نے ان پینٹنگز کو بہت سراہا۔

اس کے بعد وہ ایک کمرے میں پہنچے جس میں لائن سے الماریاں رکھی ہوئی تھیں۔ الماریوں میں بیش قیمت مصوری بھری ہوئی تھیں، جن کو راجہ صاحب اور رانی صاحبہ نے اپنی سیاحت کے دوران خریدا تھا۔ کچھ تحائف معزز لوگوں نے محل آنے پر دیے تھے۔ چین اور جاپان کے خوب صورت پھول دان بھی وہاں رکھے تھے۔ الماریوں میں چیکوسلواکیا کی شیشے کی بنی ہوئی چیزیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ملک کے دوسرے شہروں سے پیتل اور چاندی سے بنی ہوئی طرح طرح کی سندر چیزوں سے الماریاں بھری ہوئی تھیں۔

انھوں نے کئی دوسرے کمرے بھی دیکھے۔ ان میں کھانے کا کمرہ، رقص کرنے کا کمرہ اور آنگن اور اسٹور بھی شامل تھے، جہاں اناج اور باورچی خانے کا سامان رکھا تھا۔لیکن ان میں سے کوئی بھی کمرہ 'لال کمرہ' نہیں کہا جاسکتا تھا۔ پروین دل ہی دل میں بہت اُداس ہوا۔ آخر میں وہ ایک چھوٹے ہال میں پہنچے جہاں سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔

سنیل نے پوچھا۔ ''اوپر کیا ہے''؟

''کچھ نہیں''۔ منیا نے جواب دیا۔ سن کر حیرانی ہوئی۔

وہ پھر بولی۔ '' پہلے اوپر شیشے اور آئینوں کا بنا ہوا ایک محل تھا۔ اسے شیش محل کہتے تھے۔ وہاں خاص مہمان ہی لے جائے جاتے تھے۔ یہ محل بہت خوب صورت تھا۔ یہ سب مجھے بابوجی نے بتایا ہے۔ میں نے خود نہیں دیکھا۔ کیوں کہ بہار میں ۱۹۳۴ء میں ایک زبردست زلزلہ آیا تھا۔ اسی زلزلے میں شیش محل گرگیا۔ اب وہاں صرف ایک کمرہ بچا ہے۔ وہ شیشے کا نہیں بلکہ عام اینٹوں اور چونے سے بنا ہوا ہے۔

سارِیکا نے پوچھا'' کیا ہم اسے دیکھ سکتے ہیں؟''

''ہاں! ضرور'' منیا نے جواب دیا اور ساڑی کا پلّہ سنبھالتی ہوئی آگے بڑھی۔ ایک جگہ رُک کر وہ بولی'' راجہ صاحب کو یہاں بیٹھنا بہت اچھا لگتا تھا''۔ یہاں سے تم پورا چاندی پور گاؤں دیکھ سکتے ہو۔ میں کئی بار ان کے لیے یہاں چائے لے کر آتی تھی''۔

اصل میں چھت کا نظارہ بہت ہی خوب صورت تھا۔ وہاں سے قلعے کی سلیٹی

دیواریں، تالاب اور پام کے درخت اور باغ دکھائی دیتے تھے۔ محل کے پیچھے سرسوں کے ہرے بھرے کھیت ایسے لگ رہے تھے جیسے زمین پر ہرا قالین بچھا ہو۔ اس کی دوسری طرف پیڑوں کے جھنڈ کے پیچھے چاندی پور گاؤں نظر آتا تھا۔

چھت کے ایک کونے میں ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ اس کے دو دروازے چھت پر کھلتے تھے۔ لیکن ایک دروازے میں بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔

''اوہ۔ یہ کمرہ بند ہے''۔ سنیل نے کہا۔ سنیل کو یہ دیکھ کر اُداسی ہوئی۔ کیوں کہ وہ اپنے نانا جی کا پسندیدہ کمرہ دیکھنا چاہتا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ ہم کسی اور وقت یہ کمرہ دیکھ لیں گے''۔ ساریکا نے کہا۔

''ٹھہرو''۔ میرے خیال سے میں کمرہ کھول سکتی ہوں''۔ منیا نے روشن دان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کیسے؟'' پروین نے پوچھا۔ ''تم اوپر کیسے چڑھوگے؟'' یہاں دیواروں پر کچھ چڑھنے کا دکھائی نہیں دیتا۔

لیکن اگلے ہی لمحے منیا دھیرے دھیرے دیوار پر اوپر کی طرف چڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے اپنی ساڑی کو اوپر کر کے باندھ لیا اور بندر کی طرح دیوار پر چڑھ گئی اور روشن دان کے قریب پہنچ گئی۔ بچے اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے ایک ہاتھ سے روشن دان کھولا اور پھر اندر گھس گئی۔

تھوڑی دیر بعد کمرے میں دھم سے کسی کے گرنے کی آواز آتی ہے۔ وہاں پیروں کی آواز اور دروازہ کھولنے کی آواز آتی ہے، جو دروازہ اندر سے بند تھا وہ کھل جاتا ہے۔

بچے اندر پہنچ کر کھڑے ہوئے چاروں طرف کمرے کو گھور رہے ہیں۔ کمرے کی چھت لال تھی۔ اس پر سفید اور سنہری تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ دیواروں پر بھی قالین لگا ہوا تھا جو بالکل لال تھا۔ دو دیواروں پر کتابوں سے بھری الماریاں تھیں۔ صوفے پر بھی لال اور سنہرے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ کرسیوں پر لال گدیاں تھیں اور ایک طرف لال رنگ کی میز پڑی تھی۔ انھیں یقین ہوگیا کہ یہی ان کے نانا جی کا پسندیدہ لال کمرہ ہے۔ ہوسکتا ہے اسی کمرے میں انھوں نے کاغذ چھپائے ہوں۔

ہری آنکھیں

پروین سکون کی سانس لیتے ہوئے بولا'' تو یہ رہا نانا جی کا کمرہ۔ کتنا خوب صورت کمرہ ہے۔ اسی لیے وہ اپنا زیادہ وقت یہیں گزارتے تھے۔ دیکھو کتنی قیمتی اور کتنی زیادہ کتابیں ہیں۔ دل چاہتا ہے یہیں بیٹھ کر دیکھیں۔ کیوں ساریکا تم کیا کہتی ہو''۔ پروین نے اسے آنکھ کے اشارے سے کہا۔

''ہاں۔ میں پڑھنا چاہتی ہوں''۔ ساریکا نے کہا۔

سنیل تم یہاں رہ کر پڑھنا چاہتے ہو یا مُنیا اور ریکس کے ساتھ باہر جا کر باغ میں کھیلنا چاہتے ہو؟''

یہاں بیٹھ کر کون یہ دھول بھری پرانی کتابیں پڑھنا چاہے گا؟ سنیل نے جواب دیا۔
'' کون اپنا وقت خراب کرے گا۔ ہم لوگ تو باہر جا کر کھیلیں گے۔ آؤ منیا نیچے جا کر کھیلیں۔ آؤ ریکس؟

'' منیا تم سنیل کو نیچے لے جاؤ اور چائے کے وقت اوپر واپس آنا نہیں بھولنا اور دروازہ بند کر لینا''۔ ساریکا نے کہا۔

'' ہم اکیلے ہیں''۔ پروین نے کہا۔ وہ تینوں چلے گئے۔ دیکھو میں نے کیسی اچھی ترکیب سوچی''۔ اس نے اندر سے دروازہ بند کرلیا۔

"ہاں۔تم نے یہ کام بڑی ہوشیاری سے کیا ہے۔ اب جلدی سے ہری آنکھوں کو تلاش کریں"۔ ساریکا خوشی سے گھومتے ہوئے بولی۔ سارا ماحول اچانک ہی ان کو بڑا پُراسرار لگنے لگا۔ٹھیک ویسا ہی جیسا جاسوسی ناولوں میں ہوتا ہے۔

پہلے پلان بنالیں پھر کام شروع کریں گے۔ پروین نے بہت بردباری سے کہا۔ ساریکا کو اپنے پتا کی یاد آ گئی۔ جب ان کا کمرہ گندا ہوتا ہے تو وہ یہی الفاظ کہا کرتے ہیں۔

پروین نے اپنا چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔" ساریکا تم ادھر کی دونوں دیواریں دیکھو۔ میں اس طرف دونوں دیواریں دیکھتا ہوں۔لیکن اچھی طرح سے دیکھنا کہ کوئی چیز ہری آنکھ جیسی تو نہیں لگتی۔

ساریکا کھڑے کھڑے تلاش کرنے لگی۔ اس نے دل ہی دل میں دیوار کو کئی چوکور حصّوں میں بانٹ لیا اور دھیان سے ایک ایک کو اوپر سے نیچے دیکھنا شروع کیا۔ وہاں ہری آنکھ تو کیا آنکھ جیسی بھی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔

پروین اپنی طرف کی دیوار کتابوں کے آگے پیچھے، الماریوں میں اور کتابوں کو کھول کھول ایک ایک صفحہ دیکھ رہا تھا۔ وہ کام میں اتنا محو تھا کہ ساریکا کو لگا کہ جیسے وہ اپنا اصلی مقصد بھول ہی گیا ہو۔

"ارے کتابی کیڑے۔اب بس کرو۔تم کتابوں میں کیا ہری آنکھوں والے کیڑے ڈھونڈ رہے ہو؟"

"نہیں۔ پیاری بہن، کیڑے نہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ ہری آنکھ والے دیو نے نانا جی کے کاغذ کو کھالیا ہو"۔ پروین نے ہنس کر کہا۔" یہاں اتنی مٹی ہے کہ میری ناک میں گھسی جا رہی ہے اور میرا چشمہ بھی دھول میں بھر گیا ہے اسے صاف کرلوں۔

اس نے اپنا چشمہ اُتار کر میز پر رکھ دیا۔ وہ اپنی جیب میں سے رومال نکال ہی رہا تھا کہ اسے پیروں کی آواز سنائی دی۔

کوئی سیڑھیوں سے اوپر آ رہا تھا۔ کون ہوسکتا ہے۔ وہ مُنیا تو نہیں ہوسکتی۔ اسے میں نے چائے کے وقت آنے کو کہا تھا۔ یہ تو کسی آدمی کے بھاری جوتوں کی آواز ہے۔ جیسے کوئی آدمی ہو۔ پروین نے کہا۔ یہ آدمی یہاں کیوں آیا ہے۔ ساریکا نے جواب دیا اور اسی وقت پیروں کی آواز ٹھیک بند دروازے کے پاس آ گئی۔ پھر چابیوں کے گچھے کی آواز ہوئی اور تالے میں چابی لگائی گئی۔ تالی چابی سے نہیں کھلا۔ اسی لیے چابی نکال لی گئی۔ ساریکا اور پروین ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ساریکا نے سرگوشی کی۔" چلو ہم چھپ جاتے ہیں"۔ اس نے پروین کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ دونوں کونے میں پڑے بڑے صوفے کے پیچھے چھپ گئے۔

انھیں ایسا لگا کہ کسی نے دوسری چابی پھر تالے میں لگائی۔ شاید چابی نہیں لگی اور غصے میں وہ چابی نکال لی۔ پھر اس نے تیسری چابی لگائی۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ تالا کھل گیا اور کسی نے کنڈا کھول کر دروازہ کھولا۔ ویسے ہی ساریکا نے پروین کا سر نیچے کر دیا۔ تبھی کوئی اندر داخل ہوا۔ ایسا معلوم ہوا کہ کسی کے قدموں کی آواز

میز کی طرف آرہی ہے۔ پھر لگا کہ وہ دراز میں سے کچھ کاغذ لایا اور انھیں پڑھنے کے لیے وہ دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ کاغذوں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دی پھر اس آدمی نے گالی دی اور دوسری درازوں کے کاغذ ایک کے بعد ایک دیکھنے لگا۔

یہ کون ہوسکتا ہے؟؟ ڈر کے مارے صوفے کے نیچے چھپے ہوئے بچے جھانک کر دیکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ سانس روکے ہوئے وہ چپ چاپ صوفے کے نیچے گھٹنوں کے بل بیٹھے رہے۔ اس آدمی نے ایک کے بعد ایک کئی درازوں کی تلاشی لی۔

اجنبی بے کھٹکے ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ جیسے ہی اس کے قدموں کی آہٹ صوفے کے قریب آئی تو ڈر کے مارے پروین اور ساریکا کی سانس رُک گئی۔ اگر وہ پکڑے گئے تو کیا ہوگا۔

ساریکا نے پروین کی طرف دیکھا۔ پروین چشمہ نہیں پہنے تھا اسی لیے اس کی شکل کچھ عجیب سی لگ رہی تھی اس کا چشمہ میز پر رکھا تھا۔

''ہے بھگوان'' ساریکا نے سوچا۔ اگر وہ دیکھ لیا گیا تب تو بڑی مشکل ہوجائے گی''۔ ادھر اُدھر تاک جھانک کرنے کے بعد وہ آدمی شاید اُکتا گیا اور کمرے سے باہر چلا گیا پھر تالا بند کرنے کی آواز آئی اور ساریکا نے سکون کی سانس لی۔

صوفے کے نیچے سے نکلتے ہوئے پروین بولا ''اس بار تو بال بال بچے''۔

ساریکا نے ہوشیار کرتے ہوئے منہ پر انگلی رکھ لی اور کہا۔

''اب سب ٹھیک ہے''۔ پروین نے بے صبری سے کہا۔

تب اس نے زور سے کہا'' چلو اپنے کام میں لگیں''۔

ش۔ شش ساریکا ابھی بھی گھبرائی ہوئی تھی۔ مان لو اگر وہ واپس آ گیا تو؟''

'' ارے بابا۔ اتنا مت ڈرو۔ پروین نے ساریکا کی ہمّت بندھاتے ہوئے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ بغیر چشمے کے اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ پروین تقریباً اندھا تھا اور وہ چشمہ لگانا بھول گیا تھا۔ وہ ایک کرسی سے ٹکرایا اور گر گیا۔

وہ ایک پیتل کی مورتی سے جا ٹکرایا۔ اس کے دھکے سے وہ مورتی نیچے گر پڑی اس اچانک آواز سے ساریکا سہم سی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کان لگا کر سنا کہ کوئی آ تو نہیں رہا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد جب کوئی آہٹ نہیں ہوئی تو اس نے سکون کی سانس لی۔ پھر میز پر سے پروین کا چشمہ اُٹھا کر اس نے اسے دیا اور مورتی کو اُٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

یہ گنیش کی خوب صورت مورتی تھی۔ اس میں جگہ جگہ جڑاؤ پتھر لگے ہوئے تھے۔ گنیش جی کی آنکھیں ہرے رنگ کی پتھر کی تھیں۔ بڑی پُرکشش آنکھیں تھیں جیسے ان کی طرف ایک ٹک دیکھ رہی ہوں۔

'' پروین۔ پروین یہ رہیں ہری آنکھیں۔ ساریکا ایک دم جوش میں جذباتی ہو کر بولی۔ دیکھو دیکھو ہری آنکھیں۔

دونوں نے اُلٹ پلٹ کر مورتی کو دیکھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اس مورتی میں کاغذ

کہاں رکھے جا سکتے ہیں۔

پروین کے دل میں ایک ترکیب آئی۔ اچھا دیکھیں ان آنکھوں کو دیکھیں۔ اس نے انگلی سے ایک آنکھ دبائی۔ ایک کھٹکا ہوا اور مورتی کا سر ڈھیلا پڑ گیا۔

'' بہت اچھا''۔ ساریکا نے کہا اور سر کو نکالتے ہوئے ساریکا نے پروین کو شاباشی دی۔ مورتی کا جسم اندر سے کھوکھلا تھا۔ اس میں کاغذ کا ایک پلندہ اور ایک لفافہ رکھا تھا۔

پیغام

باغیچے میں سنیل اور منیا کھیل رہے تھے۔ ان کو بڑا مزہ آرہا تھا۔ ریکس بھی ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ وہ تینوں کھیل کھیل رہے تھے۔ وہ ایک چھڑی اُچھالتے اور ریکس زمین پر گرنے سے پہلے ہی اسے لپک لیتا۔ دونوں میں مقابلہ ہو رہا تھا کہ چھڑی کو زیادہ دور کون پھینک سکتا ہے۔ ریکس اُچھل کود کر کے بار بار بھونک کر انھیں چھڑی جلدی جلدی پھینکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

کھیل میں کافی وقت گزر گیا اور چائے کا وقت ہوگیا۔ منیا اوپر پروین اور ساریکا کو بلانے چلی گئی۔

جب پروین اور ساریکا نیچے آئے تو ان کے چہروں پر کامیابی کے تاثرات تھے۔

سنیل نے پوچھا۔ ''کیوں، کیسا رہا؟''

پروین نے کہا۔ چلو جلدی سے چائے پی کر اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔ اس کی بات سن کر سنیل کو واقعی حیرانی ہوئی کیوں کہ میز پر پروین کی من پسند کھانے کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

''ارے کیا تم رس گلے اور سموسے نہیں کھاؤ گے؟''

''ہمارے پاس اس سے بھی اچھی چیز ہے''۔ پروین نے جواب دیا۔

سنیل سوچتا رہا کہ وہ چیز کیا ہوسکتی ہے۔ لیکن اس نے پوچھا نہیں۔ کیوں کہ اسی وقت ڈاکٹر صاحب بھی چائے پینے آگئے۔ ان کا چہرہ سخت اور کھسیایا سا لگ رہا تھا۔
ساریکا نے پوچھا۔ ''نانا جی کیسے ہیں؟''

ڈاکٹر نے دوٹوک جواب دیا۔ ''وہ ٹھیک ہیں''۔

چائے کے بعد راکیش نے رخصت چاہی۔ جاتے وقت اس نے تینوں کو قلعہ دیکھنے کی دعوت دی۔

سب کے جانے کے بعد پروین اور ساریکا جلدی سے اپنے کمرے میں آگئے۔
سنیل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ساریکا اور پروین اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہیں؟ دونوں کے چہروں پر خوشی کی لہر تھی۔ تبھی اسے نانا جی کا پیغام یاد آیا۔ لال کمرے کا راز، جسے تلاش کرنا تھا۔ اس لیے اس نے ان کے پیچھے جانے کا فیصلہ کیا۔

''ارے، میں بھی آرہا ہوں تمھارے ساتھ'' وہ چلایا۔

''کیوں آرہے ہو؟'' پروین نے پوچھا۔ اس کی آواز میں جھلاہٹ تھی جیسے وہ سنیل پر غصہ ہو رہا ہو۔ ''اوہ تم تو ہمارے ریڈیو ہو۔ ریڈیو پوری خبریں ساری دنیا میں پھیلا دیتا ہے۔ ساریکا! ہم نہیں چاہتے کہ یہ 'ریڈیو' ہمارا پیچھا کرے۔

اس سے سنیل بہت غمگین ہوگیا۔ انھوں نے میرا نام ''ریڈیو' کیوں رکھا ہے۔ اس نے ساریکا کو متوجہ کیا۔

''کیا میں بھی چل سکتا ہوں، ساریکا دیدی''۔ اسے معلوم تھا کہ ساریکا کو دیدی کہلوانا بہت اچھا لگتا ہے۔

تم تو باتیں بہت کرتے ہو اور بات ادھر اُدھر سب جگہ پھیلا دیتے ہو؟'' ساریکا نے جواب دیا۔

سنیل نے وعدہ کرتے ہوئے کہا'' لیکن میں اب کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا''۔

سنیل نے درخواست کی۔

''چلو اسے بھی ساتھ لے لیں''۔ آخرکار ساریکا نے کہا۔ لیکن اس کو قسم کھانی پڑے گی کہ یہ کسی کو کچھ بھی نہیں بتائے گا''۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ پروین نے بات مان لی ہے تو سنیل نے سکون کی سانس لی۔

ساریکا کے کہنے پر اس نے دہرایا۔ ''میرے بعد دہراؤ''۔ میں وعدہ کرتا ہوں ایشور کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ بھی دیکھوں گا اور سنوں گا وہ کسی کو نہیں بتاؤں گا''۔

سنیل نے لفظ بہ لفظ دہرایا کسی اور کے کمرے میں آنے سے پہلے پروین نے چاروں طرف نظر دوڑا کر کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔ پھر اس نے کاغذ کا پلندہ اور وہ بند لفافہ اپنے بستر کے نیچے سے نکالا۔

''پہلے پلندہ دیکھیں''۔ کہہ کر پروین اسے کھولنے لگا۔ ساریکا اور سنیل اس کے بہت نزدیک ہوکر کھڑے ہوگئے۔ ساریکا نے سنیل کو بتایا کہ یہ سب کاغذ ان کے نانا جی زمین جائیداد، دولت اور قلعے اور محل وغیرہ کا وصیت نامہ ہے۔

سنیل کو بڑی ناامیدی ہوئی۔ ارے یہ تو بے کار کا کام ہے۔ اس کے پیچھے اتنی رازداری۔

اب لفافے کی باری آئی۔ ساریکا بولی۔ ''اچھا! اس میں بھی ضرور کوئی خاص کاغذ ہوگا''۔

اس نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس کے اوپر لکھا تھا ''میرے ناتیوں کے لیے جنھیں میں نے کبھی نہیں دیکھا''۔ اس پر ایک بڑی لال مُہر لگی ہوئی تھی۔

''کیا مُہر توڑیں''۔ ساریکا نے پوچھا۔

''ضرور! پروین نے لفافہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''لفافے پر تو لکھا ہی ہے ہمارے لیے ہے''۔

لفافے کے اندر سے ایک خط اور دو بڑی چابیاں نکلیں۔

''جلدی سے پڑھو'' ساریکا جلدبازی سے بولی۔

خط میں لکھا تھا ''میرے پیارے بچوں! جب یہ خط تمھیں ملے گا تو شاید میں اس دنیا میں نہیں ہوں گا۔ میں بہت بیمار ہوں اور پتہ نہیں کب تک زندہ رہوں۔ ساری زندگی میں اپنی بیٹی کے واپس آنے کا انتظار کرتا رہا، لیکن وہ نہیں آئی۔ وہ بہت ضدی ہے۔ اب اس آخری وقت میں، میں بھی اپنی ضد نہیں چھوڑوں گا۔ اس کو واپس آنے کے لیے نہیں کہوں گا۔ آخر ہم ہیں تو راجپوت۔ لیکن میں نے زندگی میں بہت دکھ سہا ہے۔ بیماری اور تنہائی نے مجھے توڑ کر رکھ دیا ہے۔ تمھاری ماں بہت دکھی ہوئی۔ یہ سب بڑے رنج کی بات ہے۔

تمھاری ماں کے سارے زیورات میں نے بہت احتیاط سے رکھے ہیں۔ وہ کہتی تھی اسے کچھ نہیں چاہیے۔ لیکن اب میں تمھارے سپرد کرتا ہوں۔'' یہ کئی نسلوں سے ہمارے خاندان میں چلے آرہے ہیں اور بیش قیمت ہیں۔

زیورات کا ڈبہ قلعے میں دلہن کے کمرے میں ایک چھپی ہوئی جگہ پر رکھا ہے تم اسے ضرور تلاش کرلو گے۔ اس میں چابیاں بھی ہیں۔ لیکن میں تمھیں ہوشیار رہنے کے لیے ضرور کہوں گا۔ کیوں کہ دوسرے لوگ بھی ان زیورات کی تلاش میں ہیں۔

میرے بچوں! بھگوان تمھاری مدد کرے۔

تمھارے نانا۔

ساریکا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ''اوہ، بے چارے نانا۔ کتنی بار اس نے نانا جی

کو اپنی ماں کو دُکھی کرنے کے لیے بے کار ہی برا بھلا کہا۔

پروین بولا'' میں نے تو نانا جی سے اسی لیے جھگڑا کرنے کا سوچا تھا۔لیکن وہ اتنے بے سہارا اور بیمار لگنے لگے کہ کچھ نہیں کہہ سکا۔شاید نانا جی اور ماں دونوں کے لیے ہی یہ بات کافی دکھ بھری رہی ہوگی۔

ساریکا بولی'' نانا جی چاہتے ہیں کہ ماں کے زیورات کی تلاش کریں۔کیا ہم انھیں ڈھونڈ بھی سکیں گے؟''

'' ہمیں کوشش تو کرنی ہی چاہیے''۔ پروین نے جوش سے کہا۔ یہ کام بھی اچھا لگتا ہے۔ ذرا سوچو تو کہ ایک پرانے قلعے میں زیورات کو تلاش کرنا کیسا لگے گا۔جیسے میں نے کسی کتاب کی جاسوسی کہانی پڑھی ہو۔'' ہمیں وہی کرنا چاہیے جو نانا جی چاہتے ہیں''۔

پروین زیورات کے بارے میں پلان بنانے لگا۔ جب سب زیورات ملیں گے تو بہت مزا آئے گا۔ میں تو اپنے حصّے کے زیور بیچ کر عیش کروں گا، پانچ ستارہ ہوٹل میں رہوں گا۔ بہت ساری کتابیں خرید کر خوب پڑھوں گا''۔

ساریکا نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔'' کیا بے وقوفوں جیسی باتیں کر رہے ہو؟''

'' کیوں نہیں؟'' پروین نے مخالفت کی۔ بینک لاکر میں پڑے رہنے سے بھی کیا فائدہ ہے۔

میں تمھارے حصّے میں آئے زیورات خرید لوں گی۔ یہ خاندانی زیورات میرے بچوں کو ملیں گے اور پھر ناتی اور پوتوں کو ملیں گے۔تمھارے پیسے جلدی ختم ہوجائیں گے۔ کتابیں بھی پڑھ پڑھا کر ختم ہوجائیں گی۔میرے پاس زیورات ہمیشہ رہیں گے''۔

'' آہا،، میرا حصّہ خریدنے کے لیے کماری جی کے پاس پیسے کہاں سے آئیں گے؟'' میرے پیارے بھائی۔ذرا انتظار کیجیے اور پھر دیکھیے۔

سنیل بیچ میں بول اُٹھا۔ابھی سے اتنا جوش کس لیے؟ ابھی تو زیورات ملے بھی نہیں ہیں''۔

ساریکا اور پروین دونوں جھینپ گئے۔یہ سچ تھا کہ ابھی زیورات ملے بھی نہیں تھے۔لیکن انھیں کیسے حاصل کیا جائے ؟'' نانا جی کی ہدایات صاف صاف نہیں تھیں۔انھوں نے صرف دو چابیاں دیں اور راز کی جگہ پر ڈھونڈنے کے لیے کہا۔

'' اچھا ٹھیک ہے''۔ پروین بولا۔کل قلعہ دیکھنے تو جا ہی رہے ہیں۔ہم دلہن کا کمرہ ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے''۔

ساریکا جوش سے بولی۔ماں کو کتنی خوشی ہوگی انھیں جب زیور مل جانے کی بات معلوم ہوگی۔

سنیل نے ٹوکتے ہوئے کہا۔'' ہاں۔اگر ہم انھیں بغیر کسی کی مدد کے ڈھونڈ لیں تب نا''۔

'' ابھی تو ہمیں خود ہی تلاش کرنے ہوں گے۔ نانا جی نے کہا تھا کہ دوسرے لوگ بھی انھیں ڈھونڈ رہے ہیں''۔پروین نے اسے یاد دلایا۔ وہ لوگ کون ہوسکتے ہیں۔ساریکا نے پوچھا۔

''تمھیں لال کمرے والا آدمی یاد ہے نا؟ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ وہ نانا جی کے کاغذوں کو ڈھونڈنے ہی وہاں آیا تھا؟''

ساریکا بول اُٹھی۔کیا جانے وہ کون تھا؟''

ہوسکتا ہے راکیش ہو۔اسے اتنا تو معلوم ہوگیا ہے کہ لال کمرے میں ہی وہ کاغذ ہیں۔اس کے لیے ہمارے ریڈیو کا شکریہ ادا کرو''۔

''نہیں۔وہ راکیش نہیں ہوسکتا۔شاید کوئی نوکر ہو۔کیا رامو ہوسکتا ہے؟ وہ بہت پرانا نوکر ہے اور اسے زیورات کے بارے میں ضرور معلوم بھی ہوگا۔

''پروین بے وقوفی کی باتیں نہیں کرو''، تبھی سنیل بول اُٹھا۔

وہ منیا کا پتا بھی تو ہے اور مُنیا بہت اچھی لڑکی ہے۔

''اگر سب اتنے اچھے ہیں تو برا کون ہے؟ کوئی نہ کوئی تو ویلن ہے جو یہ کر رہا ہے۔

ساریکا نے ہنستے ہوئے کہا'' تو ہیرو کون ہے؟'' اگر ویلن ہے تو ہیرو کا ہونا بھی ضروری ہے''۔

''میرے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے''۔ پروین نے ایک سلام مار کر پوچھا۔

''اچھا چشمے والے ہیرو صاحب یہ تو بتاؤ کہ اب خزانے کی تلاش کیسے شروع کی جائے؟''

پروین نوابی انداز میں بولا۔چلو پہلے اچھی طرح انتظام تو کرلیں''۔
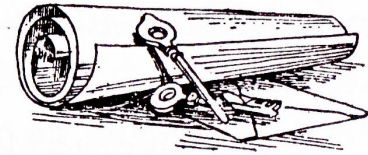
قلعے کے اندر

مُنیا کے ساتھ تینوں بچے قلعہ دیکھنے گئے۔ قلعے کے قریب پہنچے تو پروین نے پوچھا'' ہم اندر کیسے جائیں گے؟ ایسا لگتا ہے یہ بڑا لکڑی کا پھاٹک تو بند ہے، دیوار پھاند کر جائیں گے۔

''ایسا لگتا ہے جیسے کبھی دروازہ کھولا ہی نہیں گیا ہو''۔

ہاں۔یہ بڑا دروازہ صرف خاص تقریب پر ہی کھولا جاتا تھا۔عام طور پر چھوٹا دروازہ ہی آنے جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

سنیل نے پوچھا۔''راکیش کی جیپ کیسے اندر جاتی ہے؟''

منیا نے سمجھایا اسے اندر نہیں لایا جاتا۔وہ تو محل میں رکھی جاتی ہے۔

منیا نے ایک لٹکی ہوئی رسی کو کھینچا۔ قلعے کے اندر گھنٹہ بجا۔تھوڑی دیر بعد پھاٹک میں لگے چھوٹے کھانچے کا پٹ کھلا۔ بچے قلعے کے اندر چلے گئے۔سامنے روڑی پتھر کا بنا گلیارا تھا۔اس کے دونوں طرف دو کمرے تھے۔اندھیرا گلیارا پتھروں سے بنے ایک آنگن میں کھلتا تھا۔

منیا نے مشرق کی طرف دکھاتے ہوئے کہا'' یہاں اس جگہ راجہ صاحب اور ان کا خاندان رہتا تھا۔اب یہ سب خالی پڑا ہے۔تقریباً سارا ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اور اس کے مغرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' اس حصّے میں راکیش بھیا کا خاندان رہتا ہے''۔

اسی وقت ریکس کودتا پھاندتا وہاں آگیا۔وہ خوشی سے بھونک رہا تھا۔اس کے پیچھے

راکیش بھی آ رہا تھا۔ وہ ان کو خوشی سے اپنے خاندان سے ملانے اندر لے گیا۔ وہ راکیش کے دادا جی، دادی جی اور اس کے ماتا پتا اور دادا جی کی بیوہ بہن سے بھی ملے۔

انھوں نے تینوں کو کچوریاں اور جلیبی کھلائیں۔ جب تینوں کھا پی چکے تو دادا جی انھیں گزرے زمانے کی کہانیاں سنانے لگے۔ دادی جی کی بہن نے گزری ہوئی زندگی کا بڑا خوب صورت اور دل چسپ بیان کیا۔

انھوں نے بتایا ''مجھے وہ دن آج بھی یاد ہے جب تمھارے نانا، نانی کی شادی اس قلعے میں ہوئی تھی۔ یہ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ سارے قلعے کو ہزاروں دیوں سے سجا گیا تھا۔ بہت دن تک آتش بازی ہوتی رہی تھی اور پورے دن اور رات شہنائی بجتی رہی۔ شہنائی بجانے والوں کو لکھنؤ سے بلایا گیا تھا۔

بوڑھی دادی کو یہ سب سنانے میں بہت مزا آ رہا تھا۔

''شادی سے ہفتوں پہلے بڑے بڑے بھٹے جلا کر حلوائیوں نے مٹھائیاں بنانی شروع کر دی تھیں۔ ہم اس وقت بچے تھے۔ سب مٹھائی کھانے میں لگے رہتے''۔

''اوہ۔ کیسی مزے دار باتیں ہیں!'' پروین نے کہا اس کے منہ میں پانی آ رہا تھا۔

''اور بارات تو دیکھتی ہی بنتی تھی''۔ بوڑھی دادی بولتی ہی رہی۔ جلوس میں 71 ہاتھی، 51 گھوڑے اور سیکڑوں آدمی تھے جو دلہن کے لیے تحفے، مٹھائیاں اُٹھائے ہوئے تھے۔ یہ تقریب کئی دنوں تک چلتی رہی تھی۔

ساریکا حیرانی سے سن رہی تھی۔ وہ بولی۔ کتنا اچھا رہا ہوگا تب۔

''کاش کہ میں بھی اُن دنوں ہوتی۔ کتنے اچھے تھے وہ دن۔
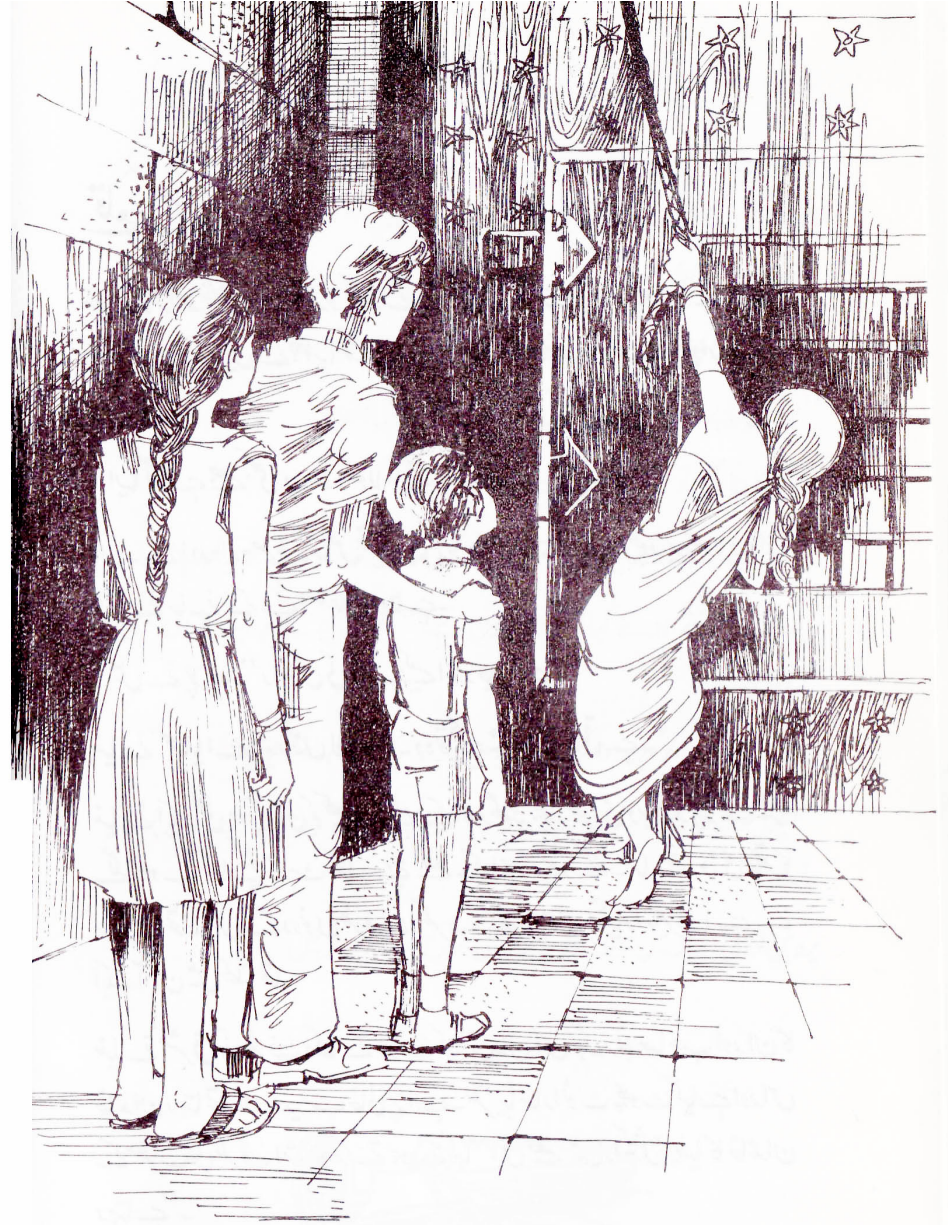
بوڑھی دادی بولی۔تمھارے نانا جی نے سوچا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی بھی خوب دھوم دھام سے کریں گے۔ خوب پروگرام ہوں گے۔ سب کچھ طے ہو چکا تھا لڑکا ایک دولت مند راجپوت خاندان کا تھا۔ شادی کارڈ بھی بھیجے جا چکے تھے۔ زیورات کا آرڈر کلکتہ کی ایک بڑی دکان کو دیا گیا تھا۔ قیمتی ساڑیاں ملک کے کونے کونے سے منگائی گئی تھیں۔ قلعے کی رونق دیکھنے لائق تھی۔ راجہ صاحب بہت شوق سے اپنی پیاری بیٹی کے لیے یہ سب کر رہے تھے۔

پروین نے مسکراتے ہوئے کہا۔''تبھی ماں نے سب گڑ بڑ کر دیا''۔ بوڑھی نانی اس پر ہنسی نہیں۔''ہاں۔ تمھاری ماں ایک غریب انجینئر سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ جسے راجہ صاحب نے اپنے کھیتوں کی سینچائی کے لیے رکھا تھا۔ سنتے ہی راجہ غصّے سے لال پیلے ہو گئے۔ وہ لڑکا ہماری برادری کا بھی نہیں تھا''۔

پروین غصّے سے بولا۔''تو کیا ہوا؟'' یہ سب بے کار کی باتیں ہیں''۔ ساریکا نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ کیا تمھیں اپنی تہذیب یاد نہیں رہی۔ چپ رہو۔ غصّہ مت کرو۔

''اوہ۔کون پرواہ کرتا ہے''۔ پروین کو چپ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اسے بہت غصہ آ رہا تھا۔ صرف بوڑھے لوگ ہی یہ سب سوچتے ہیں۔ پرانے زمانے میں کون کیا کام کرتا ہے یہ دیکھ کر ذاتیں بنائی گئی تھیں۔ لیکن آج کل وہ سب اصول تو لاگو نہیں ہو سکتے نا''۔

راکیش نے تناؤ کم کرنے کے لیے تالی بجا کر کہا۔

''سنو،سنو۔اب بحث بند کرو۔ چلو باہر چلیں۔ میں تمھیں محل کا باقی حصّہ بھی دکھاؤں''۔

وہ بڑی ہوشیاری سے تینوں کو باہر لے آیا۔ پھر وہ لوگ مشرقی حصّہ دیکھنے گئے۔ یہ حصّہ ویران اور اُجاڑ پڑا تھا۔ ہمیشہ بند رہنے کی وجہ سے اندر سیلن تھی۔ لکڑی کے دروازے کئی جگہوں سے گل گئے تھے۔ لوہے کی ریلنگ اور کیلیں زنگ آلود تھیں۔ وہاں بہت سے کمرے تھے۔ بڑے اور چھوٹے۔ سب کے سب خالی اور کھنڈر لگ رہے تھے۔ وہیں ایک تنگ زینہ اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ تینوں بڑی ہوشیاری سے سیڑھی سے اوپر چڑھے۔ اوپر کے کمرے سے ہرے بھرے کھیت اور کھلے میدان کی خوب صورت نظارہ دکھائی دے رہا تھا۔

آخر میں وہ ایک ایسے کمرے میں پہنچے جو کچھ بہتر حالت میں تھا۔ اس کی دیواروں پر پرندوں اور پھولوں کی تصویریں بنی تھیں۔ ان کے رنگ مدھم پڑ گئے تھے۔

''یہ دلہن کا کمرہ ہے''۔ راکیش نے تفصیل بتائی'' شادی کے بعد دولہا دلہن کو یہاں لایا جاتا تھا، جب تک تقریب ختم نہیں ہو جاتی تھی اور مہمان چلے نہیں جاتے تھے۔ تمھارے نانا اور نانی بھی یہیں رہے تھے اور اگر تمھاری ماں کی شادی ہوتی تو وہ بھی شادی کے بعد اسی کمرے میں رہتی''۔

''اوہ۔ اچھا تو ایسا تھا''۔ پروین بولا۔

پروین نے کمرہ دیکھ لیا تھا اس لیے وہ اکیلے میں۔ نانا جی کے خط میں نشان دہی کے مطابق اس جگہ کو تلاش آسانی سے کر لے گا۔

اب وہ جان گیا تھا کمرہ کہاں ہے۔ محل کی طرف واپس آتے ہوئے پروین سارے راستے یہی سوچ رہا تھا۔ لیکن ایک مشکل تھی کہ وہ قلعے میں کیسے داخل ہوگا بغیر کسی کی نگاہ پڑے۔ قلعے کے پھاٹک پر تو ہر وقت دو پہرے دار کھڑے رہتے ہیں۔ جنھوں نے ابھی دروازہ کھولا تھا اور وہ بغیر کسی کی توجہ کیے ہی قلعے کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔ وہ بالکل اکیلا جانا چاہتا تھا۔ اگر وہ دروازے سے جاتا ہے

تو پہرے دار ضرور دیکھ لیں گے کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ کرے تو کیا کرے؟ قلعے میں جانے کا کوئی دوسرا راستہ بھی تو نظر نہیں آتا۔

پروین پورے وقت اس مسئلے پر سوچتا رہا۔لیکن کوئی حل نہ ملا۔ اس نے سوچا ’’کوئی بات نہیں‘‘۔کل تک اس مسئلے کا حل مل جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ کل تک کوئی نہ کوئی حل ضرور مل جائے گا۔

مسئلے کا حل

اس رات ساریکا بستر پر لیٹی ہوئی پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پڑھنے کے لیے لال ٹین کی روشنی بہت کم تھی۔ ساریکا نے لالٹین کی بتی اوپر کر دی۔ منیا اس کے پاس ہی چٹائی پر لیٹی تھی۔ اس نے مچھروں سے بچنے کے لیے چادر سے منہ سے پیر تک سب ڈھکے لیٹی تھی۔

منیا نے چادر کے اندر سے ہی پوچھا۔’’ساریکا دیدی کیا آپ پڑھ رہی ہیں؟‘‘

’’ہاں‘‘۔ساریکا نے کہا۔

’’کیا آپ کو پڑھنا آتا ہے؟‘‘

’’ہاں ہاں ضرور۔ میں پڑھ سکتی ہوں‘‘۔ساریکا نے جواب دیا۔

’’میں اسکول میں آٹھویں کلاس میں پڑھتی ہوں‘‘۔

’’کیا آپ مجھے پڑھنا سکھائیں گی؟‘‘ ساریکا دیدی۔

’’تمھارا مطلب ہے تمھیں پڑھنا نہیں آتا ہے۔ ساریکا کو بڑا تعجب ہوا۔

جواب میں چادر کے اندر سے ہی منیا نے زور سے سر ہلا کر نہ کہا۔

’’اوہ بے چاری لڑکی‘‘۔ ساریکا کو منیا پر بہت ترس آیا۔

’’تو کیا تم کبھی اسکول نہیں گئیں؟‘‘

’’نہیں!‘‘

’’اچھا، تب تو میں تمھیں ضرور پڑھاؤں گی‘‘۔ ساریکا نے کہا۔

منیا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔’’ اوہ۔کیا آپ سچ مچ مجھے

پڑھائیں گی؟''

منیا نے چادر الگ پھینکی اور لپک کر ساریکا کے پاس پہنچ گئی۔

''دیدی آپ بہت بہت اچھی ہیں''۔اس نے ساریکا کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''چلو ابھی شروع کریں''۔

ساریکا اپنی کتاب پڑھنا بھول گئی۔ منیا کے جوش نے ساریکا کے من کو بھی چھو لیا تھا۔ جلدی سے ڈھونڈ کر ایک پنسل نکالی گئی اور دونوں کاغذ کے صفحے پر جھک گئیں۔

منیا واقعی پڑھنا چاہتی تھی۔ عقل کی تیز تھی اس کو ساری باتیں سمجھ میں جلدی آ رہی تھیں۔اس نے پہلا سبق شروع سے آخر تک پڑھ لیا۔ ساریکا نے اپنی شاگرد کو اور ساتھ میں اپنے آپ کو شاباشی دی۔

منیا پھر بولی۔'' آپ بہت اچھی ہیں دیدی۔ میں آپ کی احسان مند ہوں۔ کاش میں بھی آپ کے لیے کچھ کر سکتی''۔

'' منیا بے وقوفی کی باتیں نہیں کرو''۔ مجھے تمھیں پڑھانے میں بہت خوشی ہو رہی ہے۔ میں تم سے تو کچھ نہیں لوں گی''۔

''لیکن میں کچھ ضرور دینا چاہتی ہوں۔نہیں تو میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں گی''۔

''اچھا تو ٹھیک ہے منیا''۔ساریکا نے کہا اور منیا سے اسے ہمدردی ہو گئی۔

''نہیں یہ نہیں چلے گا۔ سب ٹھیک ہے۔دیکھیے مجھے ایک راز کا پتہ ہے۔صرف میں جانتی ہوں جو ابھی تک میں نے کسی کو نہیں بتایا۔ اپنے پتا جی کو بھی نہیں۔ بس میں جانتی ہوں کیوں کہ اس کا پتہ میں نے ہی لگایا تھا۔ لیکن آپ کو وہ بات

بتادوں گی''۔

''ٹھیک ہے''۔ساریکا کو اچھا لگا۔''چلو سناؤ تمھارا بڑا راز کیا ہے''۔

'' میں آپ کو صبح بتاؤں گی''۔ لیکن آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ کسی کو بھی نہیں بتائیں گی''۔

''یہاں تک کہ پروین اور سنیل کو بھی نہیں؟؟''

''اچھا۔منیا نے کچھ دیر سوچ کر کہا۔مگر ان دونوں کے علاوہ کسی کو بھی نہیں''۔

''میں وعدہ کرتی ہوں''۔ساریکا نے کہا۔

دوسرے دن صبح ڈاکٹر نے پروین سے کہا کہ اب وہ اپنے نانا جی سے مل سکتا ہے۔وہ اس کے بارے میں پوچھ بھی رہے تھے۔

ساریکا منیا کی راز کی چیز دیکھنے اس کے ساتھ چلی گئی۔سنیل بھی یہ وعدہ کرنے کے بعد کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔ساریکا اور منیا کے ساتھ ہولیا۔

منیا ان دونوں کو محل سے باہر باغ اور تالاب سے دور کھیتوں میں لے گئی۔ آموں اور امرود کے پیڑوں سے بھی دور، وہ سب ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پاس رُکے۔ ٹیلہ گھنی جھاڑیوں کے پیچھے تھا۔ ایک جگہ منیا گھاس پوس اور جھاڑ جھنکار کے بیچ جھک کر ایک پتھر ہٹانے لگی۔ پتھر ہٹاتے ہی سوکھی گھاس اور پتے ہٹانے کے بعد ایک اندھیرا غار دکھائی دیا۔

''دیکھو۔ یہ ہے میرا راز''۔منیا نے فخر سے کہا۔

بچوں نے آگے بڑھ کر اس میں جھانکا۔ وہ ایک غار نہیں تھا بلکہ ایک تنگ اور لمبا گلیارا لگتا تھا۔

''جب ماں کو غصہ آتا ہے اور وہ مجھے مارنا چاہتی ہے تو میں یہاں آکر چھپ جاتی ہوں۔ یہاں مجھے کوئی نہیں ڈھونڈ پاتا ہے۔ یہ میرا چھوٹا سا محل ہے۔

''اندر آیئے اور دیکھیے''۔

وہ گھٹنوں کے بل آگے بڑھنے لگی۔ ساریکا اور سنیل کو بھی اس نے پیچھے پیچھے آنے کے لیے کہا۔ اندر پہنچ کر انھیں دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ دیوار کے ساتھ ایک گھاس پوس

کا بستر لگا ہوا تھا اور دوسری طرف اس کی من پسند چیزیں جیسے ایک ٹوٹی پنسل اور کچھ کاغذ۔ لکشمی جی کی تصویر اور ایک ٹوٹا ہوا گھڑا پڑا تھا۔

''وہ رہی میری لالٹین''۔ منیا نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''کتنی اچھی جگہ ہے''۔

''اوہ۔ ہاں!'' ساریکا نے متفق ہوتے ہوئے کہا۔ کتنی اچھی چھپنے کی جگہ ہے۔ کیا تم یہاں اکثر آتی ہو؟''

''ہاں۔ جب بھی ماں مجھ پر غصہ کرتی ہے''۔

سنیل کو لڑکیوں کی باتوں میں ذرا بھی مزا نہیں آرہا تھا۔ وہ گلیارے کو دیکھنے میں لگ گیا۔ ''ساریکا دیکھو''۔ یہ گلیارا کہاں جاتا ہے؟ وہ بولا۔

منیا نے تفصیل بتائی۔ ''دراصل یہ ایک سرنگ ہے اور کافی دور تک جاتی ہے۔ یہ کافی لمبی ہے۔ ایک بار میں اس کے آخری سرے تک گئی تھی''۔

''یہ قلعے میں جاتی ہے۔ یہ کیوں بنائی گئی میں نہیں جانتی''۔

ساریکا کو پروین کی مشکل یاد آگئی کہ قلعے میں کس طرح داخل ہوا جائے۔

''کیا''۔ ساریکا نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا تمھارا مطلب ہے یہ سرنگ قلعے کے اندر جاتی ہے''۔

''ہاں۔ یہ اندر جاتی ہے۔ منیا یقین دلاتے ہوئے بولی۔ ''میں نے اس سرنگ کی پوری چھان بین کی ہے۔ اس کا دوسرا سرا قلعے میں راجہ صاحب کے کمرے میں نکلتا ہے''۔

''یہ بھی خوب رہی''۔ اب ہماری مشکل حل ہوگئی۔ ساریکا اپنی خوشی چھپا نہ سکی اور یہ کہتی ہوئی گھر کی طرف بھاگ گئی۔ ''میں ابھی جا کر پروین کو بتاتی ہوں''۔

مڈبھیڑ

سنیل ساریکا کی طرح جلدی سے اندر نہیں بھاگا۔ وہ تالاب کے پاس کھڑا رہا۔ موسم سہانا تھا۔ اس نے تصور کیا جیسے وہ تالاب ایک سمندر ہو اور اس میں تیرتے ہوئے جہاز سمندری ڈاکوؤں کے ہیں اور وہ ان کا کپتان ہے۔ آنکھیں بند کر کے وہ سوچ رہا تھا کہ ڈکیتی ڈالنے پر کیا کیا مال ہاتھ آئے گا۔ فٹ بال، کرکٹ کا بلا، کنچے، کھلونا، کار، نقلی بندوق، مٹھائیاں، ٹافیاں اور چاکلیٹ اور......''۔

''لو چاکلیٹ کھاؤ''۔ اسے آواز سنائی دی۔ سنیل نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سامنے چاکلیٹ کا ایک پورا ڈبہ تھا۔ اس نے سر اُٹھا کر دیکھا کہ سامنے ڈاکٹر کھڑا ہے۔

''چاکلیٹ چاہیے''۔ ڈاکٹر نے پیار سے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟'' کیا خواب دیکھ رہے تھے؟''

''نہیں...... ہاں کچھ ایسے ہی۔ سنیل الجھن میں پڑ کر بولا۔'' چاکلیٹ کے لیے شکریہ!'' اس نے چاکلیٹ لیتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس اور بھی چاکلیٹ ہیں''۔ ڈاکٹر بولا۔ ''تمھیں اور چاہیے؟''

''ہاں...... نہیں''۔ سنیل بڑبڑایا۔

''اسے بھی لے لو''۔ ڈاکٹر نے ایک اور پیکٹ سنیل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا'' تم سب کو دیکھ کر تمھارے نانا جی بہت خوش ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا۔

''سچ مچ میں کیا وہ خوش ہوئے ہیں؟'' سنیل نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں ہاں'' کیوں نہیں؟ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''سنیل یہاں آکر میرے پاس کیوں نہیں بیٹھتے، اس نے برابر کی خالی جگہ کو دکھاتے ہوئے کہا۔

سنیل اٹھ کر ڈاکٹر کے پاس بیٹھ گیا نہ چاہتے ہوئے بھی۔

''نانا جی کیسے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔ میں بھگوان سے دعا کرتا ہوں کہ وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گے نا؟''

ڈاکٹر نے کچھ رُک کر جواب دیا۔'' سچ تو یہ ہے کہ وہ بہت بیمار ہیں۔ میں تمھیں کھل کر بتانا چاہتا ہوں۔ وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہیں گے۔ میرا کام ہے کہ جب تک وہ زندہ رہیں انھیں آرام دوں اور خوش رکھوں۔ اس لیے میں نے تم لوگوں کو بلایا تھا اور تم سب کو دیکھ کر یقیناً وہ بہت خوش ہوئے ہیں۔ میں نے دیکھا وہ پہلے دن پروین سے بہت باتیں کر رہے تھے۔ انھوں نے کیا باتیں کی تھیں؟''

سنیل بہت باتونی بچہ تھا۔ جب کوئی بڑا اس سے برابری سے بات کر رہا ہوتا تب وہ اس سے دل کھول کر باتیں کرتا تھا۔

''نانا جی نے لال کمرے میں سے کچھ بہت خاص کاغذ ڈھونڈنے کے لیے کہا تھا''۔

''اچھا! کیا ایک چاکلیٹ اور کھاؤ گے اور کیا وہ کاغذ مل گئے؟''

''اوہ ہاں! پروین اور ساریکا نے وہ کاغذ ڈھونڈ لیے ہیں۔ حالاں کہ ڈھونڈنا بہت مشکل تھا''۔

سنیل نے شیخی بگھارتے ہوئے بھائی اور بہن پر فخر کرتے ہوئے کہا۔

”یہ تو بہت ہوشیاری کا کام کیا ہے“۔

”ہاں! ویسے بھی پروین ہے بھی تو بہت ہوشیار لیکن وہ شیخی بہت بگھارتا ہے۔ساریکا بھی بہت ہوشیار ہے“۔

”اچھا! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بہت دل چسپ۔ میرے خیال سے تم سب سے زیادہ عقل مند ہو۔تمھارے نانا جی کو تو تم پر فخر ہونا چاہیے۔ کیا تم نے وہ کاغذ پڑھے ہیں جو پروین نے تلاش کیے تھے؟“

”نہیں! لیکن ساریکا نے پڑھے تھے۔ مجھے ان باتوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ان میں یوں ہی کچھ زمین جائداد کے بارے میں لکھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک خط تھا وہ بہت مزے دار تھا“۔

”کون سا خط؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”وہی خط جو نانا جی نے ہم کو لکھا تھا“۔سنیل نے اپنے آپ کو خاص سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

”اچھا! تو انھوں نے تم لوگوں کو خط بھی لکھا ہے۔ کیا لکھا ہے اس میں؟“

”نانا جی نے لکھا ہے کہ اپنی ضد کی وجہ سے وہ اور ہماری ماں ایک دوسرے سے دور رہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بہت دنوں تک زندہ نہیں رہیں گے۔ کتنے دکھ کی بات ہے؟“

”ہاں! یہ تو بہت دکھ کی بات ہوگی۔ڈاکٹر نے ہامی بھری۔ ”دیکھو زندگی میں کئی باتیں یقینی ہوتی ہیں جیسے موت اور پھر تمھارے نانا تو کافی ضعیف ہوگئے ہیں“۔

”ہاں! شاید“۔سنیل بولا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ سنیل نے سوچا کہ اب محل میں جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ ساریکا اور پروین بھی اسے ڈھونڈ رہے ہوں گے!

''کیا خط میں کچھ اور بھی لکھا ہوا تھا؟'' ڈاکٹر نے پھر پوچھا۔

سنیل سوچ میں پڑ گیا کہ ڈاکٹر اتنے سارے سوال کیوں پوچھ رہا ہے۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ اس سے بات کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ آخر ڈاکٹر ان کے نانا جی کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔

''اور کیا لکھا تھا سنیل؟'' ڈاکٹر نے پھر اصرار کیا۔

''خط کے ساتھ اس میں چابیاں بھی تھیں''۔ سنیل نے جواب دیا۔

''اچھا! اس میں چابیاں بھی تھیں''۔ ڈاکٹر نے پھر تجسس سے پوچھا۔ کیسی چابیاں؟''

''قلعے میں دلہن کے کمرے کی''۔ سنیل نے جواب دیا۔

اب سنیل کو شک ہونے لگا۔ آخر ڈاکٹر اتنے سوال کیوں پوچھ رہا ہے؟ ان سب میں اس کی اتنی دل چسپی کیوں ہے؟ کہیں یہی تو خراب آدمی نہیں ہے جس کا ڈر پروین اور ساریکا کو ہے۔ سنیل کو محسوس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی باتیں کہہ گیا ہے۔ اب اسے وہاں سے جانا چاہیے۔

ڈاکٹر پرشاد نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ارے ایک منٹ تو رُکو''۔ تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اس دلہن والے کمرے میں کوئی خاص چیز رکھی ہے کیا؟''

ایک چاکلیٹ اور کھاتے جاؤ۔ یہ دوسرے قسم کی مزے دار چاکلیٹ ہے۔

''نہیں شکریہ!'' اب اور نہیں لوں گا''۔ سنیل نے چلتے چلتے کہا۔'' آپ کو بہت بہت شکریہ!''

جب وہ گھر کی طرف جا رہا تھا تو ڈاکٹر کی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شکریہ تمھارا بہت بہت شکریہ!

سنیل اس کمرے میں پہنچا جہاں پروین اور ساریکا تھے۔ وہ بہت زور شور سے بحث کر رہے تھے۔ انھوں نے سنیل کے اندر آنے پر کوئی توجہ نہیں کی۔ اس سے اسے کچھ سکون ہوا۔ کیوں کہ اس کے دل میں یہ خدشہ ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر سے باتیں کرنے میں اُس نے کچھ غلطی کر دی ہے۔

پروین کہہ رہا تھا'' سرنگ کا پتہ تم نے لگایا ہے تو کیا ہوا؟'' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارا حق تمھارا ہی ہے''۔

ساریکا تلخ لہجے میں بولی۔ حق کی بات کون کر رہا ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی۔ میں تمھارے ساتھ سرنگ میں چلوں گی''۔

''تم نہیں جاؤ گی''۔

''کیوں نہیں؟'' کیا میں تم سے بڑی نہیں ہوں؟''

''ہاں! لیکن تم لڑکی ہو۔ لڑکیاں خطرے کی جگہ پر نہیں جایا کرتیں''۔

''لڑکیاں سب کچھ کر سکتی ہیں اور لڑکوں سے بہتر کر سکتی ہیں''۔

''ہاں! وہ کر سکتی ہیں''، سنیل بھی بول اُٹھا۔ اسے منیا کی یاد آ گئی۔

''تم سے بیچ میں بولنے کے لیے کس نے کہا''۔ پروین نے مڑ کر تلخ لہجے میں سنیل سے کہا۔

''یہ سچ ہے''، سنیل نے جواب دیا۔ منیا سب کچھ کر سکتی ہے''۔

''ہم منیا کی نہیں ساریکا کی بات کر رہے ہیں''۔ پروین نے سمجھانے کی کوشش کی۔

‘‘دیکھو’’۔ ساریکا نے سمجھداری سے کہا۔ مجھے تو اس میں کچھ خطرہ نہیں دکھائی دیتا۔ ہم سرنگ کے ذریعے قلعے میں داخل ہوں گے دلہن کا کمرہ کھول کر اس میں زیورات نکال کر واپس آجائیں گے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بہت آسان ہے اور ماں نے مجھے ہی تم دونوں کا دھیان رکھنے کے لیے کہا تھا۔ اب بولو’’۔

‘‘تمھارا مطلب ہے تم میرا دھیان رکھوگی؟’’ پروین غصے سے پھٹ پڑا۔

‘‘نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ساریکا نے ہوشیاری سے جواب دیا اور اس نے اپنا رویّہ بدل لیا۔ ‘‘پروین مان بھی جاؤ’’۔ سارا مزہ خراب مت کرو۔ میں بھی تمھارے ساتھ جانا چاہتی ہوں اور خطرے والے کام میں تمھارا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔ میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی’’۔ اس نے التجا کرتے ہوئے کہا۔ ‘‘اچھا ٹھیک ہے’’۔ پروین نے بات مان لی۔ ‘‘ہم صبح ناشتے کے بعد جائیں گے’’۔

صبح سب لوگ کام میں لگے رہتے ہیں اس لیے گھر میں ہمارے نہ ہونے پر کوئی دھیان نہیں دے گا۔ لیکن سنیل ہمارے ساتھ نہیں چلے گا’’۔ پروین نے زور دیتے ہوئے کہا۔

‘‘میں جانا بھی نہیں چاہتا’’۔ سنیل نے جواب دیا۔ اس کی ذرا بھی خواہش نہیں تھی کہ وہ اندھیری سرنگ میں زیورات ڈھونڈنے جائے۔

‘‘تو اب یہ طے ہوگیا ہے۔ پروین بولا۔ ہمیں دوپہر کے کھانے سے پہلے واپس ضرور آجانا چاہیے۔ نہیں تو لوگ ہمیں ڈھونڈیں گے۔ سنیل کسی کو کچھ مت کہنا کہ ہم کہاں گئے ہیں۔ اگر ہمیں دیر ہوجائے تو کوئی بہانہ بنا دینا’’۔

سنیل نے سر ہلا دیا۔ اس نے تہیہ کیا کہ ڈاکٹر سے ملاقات کی بات وہ کسی کو

نہیں بتائے گا۔ پروین کا موڈ ابھی بھی بہت خراب تھا۔ پھر بردباری سے بولا’’ ٹھیک ہے اب سب کچھ طے ہوگیا ہے’’۔ چابیاں بھی ضرور ساتھ میں لے لیں گے۔ اب زیورات لانے میں کچھ بھی وقت نہیں لگے گا’’۔

سرنگ

اگلے دن وہ صبح صبح پروین اور ساریکا سرنگ میں داخل ہوئے۔ پروین آگے اور ساریکا اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اوبڑکھابڑ فرش پر وہ ہوشیاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ سرنگ کی چھت نیچے ہونے کی وجہ سے دونوں کو کافی جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھے سرنگ میں اندھیرا بڑھتا گیا۔ آگے چل کر سرنگ اتنی تنگ ہوگئی کہ اس کی دیواروں سے ان کے کندھے ملنے لگے۔

پروین لمبے قد کا تھا اور چھت نیچے اور نیچے ہوتی جارہی تھی اس کو آگے بڑھنے میں مشکل ہورہی تھی۔

گھبرا کر اس نے کہا'' کہیں یہ سرنگ آگے سے بند تو نہیں ہے''۔

''منیا نے تو کہا تھا کہ وہ اس سرنگ سے ہی قلعے میں داخل ہوئی تھی''۔

ساریکا نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ لیکن دل ہی دل میں وہ بھی ڈر رہی تھی۔

بڑی مشکل سے ان دونوں نے کچھ گز کا فاصلہ طے کیا۔ سرنگ کی چھت اب اور نیچی ہوگئی تھی کہ پروین کو کھڑا ہونا خاصا مشکل ہورہا تھا۔

اس نے ساریکا سے کہا'' اب لگتا ہے مجھے رینگنا ہی پڑے گا''۔

ساریکا نے جواب دیا۔

''ایک منٹ ٹھہرو''۔ مجھے آگے جانے دو۔ میرا قد تم سے چھوٹا ہے۔ میں آگے تیزی سے جاسکتی ہوں تمھاری بہ نسبت۔

پروین سرنگ کے فرش پر لیٹ گیا تاکہ ساریکا آگے نکل سکے۔ ساریکا جھک کر آگے بڑھنے لگی۔ ساریکا تیزی سے جارہی تھی۔ پیچھے پیچھے پروین بھی بیٹھ بیٹھ کر آگے بڑھنے لگا۔

اس طرح وہ کافی دیر تک گھپ اندھیرے میں سفر کرتے رہے۔ انھیں محسوس ہوا کہ وہ بہت گھنٹوں سے اس قید میں پڑے ہوں۔

''پروین۔ ساریکا کی آواز اندھیرے میں سے سنائی دی۔ اب اندھیرا کم ہوگیا ہے۔ اب لگتا ہے سرنگ بھی کچھ چوڑی ہورہی ہے''۔

جلد ہی ساریکا کچھ آگے چل کر سیدھی ہوکر چلنے لگی۔ اب سرنگ کا راستہ کافی چوڑا ہوگیا تھا۔

اب وہ کھڑے ہوکر چلنے لگے تھے۔ دونوں کے چہروں پر امید کی کرن چمک اُٹھی تھی۔ سرنگ اب چوڑی اور آرام دہ ہوگئی تھی اس لیے دونوں جلدی جلدی قدم رکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد سرنگ کا آخری سرا اور نیلے آسمان کا ایک ٹکڑا دکھائی دینے لگا۔

پروین نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا'' اب اوپر کیسے جائیں؟'' تبھی اس کی نظر لوہے کے گول چھلّوں پر پڑی جو سامنے کی دیوار پر لگے ہوئے تھے۔ پروین نے سب سے نیچے والے چھلّے کو پکڑ کر دیکھا۔ وہ مضبوطی سے لگا ہوا تھا۔ چھلّے میں پیر رکھ کر اوپر چڑھنے لگے۔ وہ اوپر پہنچ گئے ان کے سر باہر نکل آئے۔

باہر جھانک کر اس نے دیکھا کہ ایک طرف قلعے کی دیوار ہے۔ وہ ہوشیاری سے دیکھتا رہا آس پاس اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ اب اس نے ساریکا کو بھی چھلّوں کے سہارے سے اوپر آنے میں مدد کی۔ دونوں گڈھے سے نکل ہری گھاس پر کھڑے

ہو گئے اور انھوں نے تازی ہوا میں گہری سانس لی۔

ہاتھ پیر سیدھے کرتے ہوئے پروین بولا۔ ''آہا کتنا آرام مل رہا ہے''۔

ساریکا نے ہاں میں سر ہلایا۔ وہ اب بھی ہانپ رہی تھی۔

ساریکا نے مڑ کر دیکھا کہ جس سُرنگ کے منہ سے وہ نکلے تھے وہ اوپر سے دیکھنے میں کنویں جیسی لگتی تھی۔ اس کے چاروں طرف اینٹوں کی منڈیریں بھی بنی ہوئی تھیں۔ باہر سے اسے دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ ایک سرنگ ہے۔

منیا ٹھیک کہہ رہی تھی کہ سرنگ قلعے کے مغربی حصّے میں کھلتی ہے۔

''اب تک تو سب ٹھیک رہا''۔ ہم نے پہلی منزل تو ٹھیک سے پار کر لی ہے۔ پروین بولا۔

اب ہمیں صرف دلہن کے کمرے تک پہنچنا ہے اور زیورات کے ڈبے تلاش کرنے ہیں۔ ساریکا نے کہا۔

گھاس سے بھرے میدان میں پروین آگے بڑھتے ہوئے بولا ''چلو آؤ؟''

جب وہ راکیش کے ساتھ یہاں آئے تھے تو پروین نے کچھ خاص نشانیاں ذہن میں رکھ لی تھیں۔ اس لیے وہ بہت یقین کے ساتھ قدم رکھتا ہوا آگے آگے چل رہا تھا۔

دونوں بچے کمرے کے قریب آ پہنچے۔ دیواروں پر جانوروں اور پرندوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ لوہے کے مضبوط دروازے پر ایک بڑا سا زنگ لگا تا تالا لٹک رہا تھا۔ پروین نے ساریکا کی چیخ سنی۔

پروین ہوشیار ہو جاؤ۔

پروین مڑا ہی تھا کہ ایک آدمی نے پیچھے سے اس پر حملہ کیا۔ پروین بہت پھرتی سے ایک طرف جھک گیا۔ اس کے اچانک ہٹ جانے سے وہ آدمی اپنے آپ کو سنبھال نہیں پایا اور دھڑام سے فرش پر جا گرا۔ ساریکا تو ڈر کے مارے مطلب وہیں جم گئی ہو۔ وہ سہمی ہوئی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ پروین نے زور سے ساریکا کا ہاتھ پکڑ لیا اور چلایا۔ ''بھاگو''۔

اس سے پہلے کہ آدمی اُٹھ کر سنبھلے، دونوں بچے سر پر پیر رکھ کر بھاگے جیسے ہی وہ گلیارے سے دوسرے کمرے کی طرف گئے انھوں نے اسی آدمی کی آواز سنی ''کشور وہ بھاگے جا رہے ہیں۔ ان کا پیچھا کرو''۔

پروین نے سوچا ''اوہ تو یہاں دو آدمی ہیں''۔ پروین کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ وہ ایک کونے میں چھپ گئے۔ ان کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ وہ آدمی ان کو ڈھونڈتا ہوا آگے نکل گیا۔ بھگوان کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نہیں دیکھا۔ اب ہم دونوں جلدی واپس جاتے ہیں اور سرنگ میں چھپ سکتے ہیں۔

پروین نے آہستہ سے ساریکا سے کہا ''چلو پھر بھاگیں''۔ وہ کمروں میں سے ہوتے ہوئے باہر میدان کی طرف بھاگنے لگے۔

تبھی ایک آواز سنائی دی۔ ''وہ رہے'' انھیں جلدی سے پکڑو''۔

ان لوگوں نے انھیں اچھی طرح دیکھ لیا تھا لیکن بچوں کی منزل دور نہیں تھی۔

پروین بولا ''جلدی کرو ساریکا تیزی سے بھاگو''۔ اب ہم بھی وہاں پہنچ سکتے ہیں۔

ساریکا بہت تیزی سے دوڑنے لگی۔ لیکن اس نے راستے میں پڑا پتھر نہیں دیکھا وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔

''اوہ۔ وہ چلا پڑی۔ اس کے انگوٹھے میں زور کی ٹیس اُٹھی۔

پروین نے ساریکا سے کہا۔ ساریکا بھاگنے کی کوشش کرو‘‘۔ وہ لوگ آرہے ہیں‘‘۔

ساریکا نے اٹھنا چاہا، وہ کھڑی بھی ہوگئی۔ پروین اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹنے لگا اور وہ لنگڑا لنگڑا کر چلنے لگی۔ اسی میں بہت وقت لگ گیا۔ پیچھا کرنے والے ان کے کافی قریب آگئے تھے۔

قید میں

ان دونوں آدمیوں نے ان کو گھیر لیا تو ساریکا بہت سہم گئی۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کے انگوٹھے میں تیز درد تھا۔ اسی وقت پیچھا کرنے والے نے سخت ہاتھ سے اس کی کلائی کس کر پکڑ لی۔

جس آدمی نے پروین کو پکڑنے کی کوشش کی۔ پروین نے پہلے تو اسے ٹھوکر ماری پھر اسے گھونسے مارنے شروع کردیے اور اس کے ہاتھ پر کاٹ بھی کھایا۔ لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ آدمی پروین کی بہ نسبت بہت طاقت ور تھا اس نے پروین کو پکڑ کر عمارت کے اندر گھسیٹنے کی کوشش کی۔ لیکن پروین اپنے ہاتھ پیر چلائے جارہا تھا۔

آدمی غصّے سے چلایا۔ ’’بند کرو۔ بدمعاش اپنے ہاتھ پیر چلانے بند کرو نہیں تو منہ توڑ دوں گا‘‘۔

’’توڑ کر تو دیکھو‘‘۔ پروین نے کہا۔ ’’اور پھر میں تمھیں مزا چکھادوں گا‘‘۔

تبھی دوسرا آدمی بولا۔ ارے بچوں سے لڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ان کو کمرے میں بند کرنا ہمارا کام ہے۔ لڑنا نہیں۔ چلو جلدی سے کام ختم کریں‘‘۔ دونوں غنڈوں نے بچوں کو کھینچ کر ایک کمرے کے اندر بند کردیا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا اور اُس میں ایک روشن دان تھا۔ کمرے کے دونوں کونوں میں پھونس بچھا ہوا تھا اور ایک رسّا بھی پڑا تھا۔ ساریکا سوچنے لگی کہ یہ غنڈے کس کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ ہم پکڑے کیوں گئے اور اب ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔

اسے جلدی ہی اس کا پتہ چل گیا۔'' ارے یار لڑکی کو چھوڑ۔ مجھے اس لڑکے کو باندھنے میں مدد کر''۔ جو آدمی پروین کو پکڑے ہوئے تھا اس نے دوسرے آدمی سے کہا۔

دوسرے آدمی نے ساریکا کو کھینچ کر پھونس پر ڈال دیا۔ پھر دونوں نے مل کر پروین کے ہاتھ پیر رسے سے کس کر باندھ دیے اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا جس سے وہ چلا نہ سکے۔

وہ آدمی بولا'' اب دیکھتا ہوں بچُّو تم کیسے بھاگتے ہو''۔

پھر ساریکا کی طرف مُڑ کر بولا۔'' چلو اب لڑکی کو دیکھیں''۔

جب وہ غنڈے اس کے ہاتھ پیر باندھ رہے تھے تو وہ درد کے مارے تڑپ رہی تھی۔

'' چلو کام ہوگیا ہے۔ اب چلتے ہیں اور مالک سے کہیں''۔

'' باپ رے'' پہلا آدمی بولا۔ ان کا باندھنا آسان کام نہیں تھا۔ لڑکا تو بالکل شیطان ہے۔ اس بری طرح لڑا کہ میں ہی جانتا ہوں۔

وہ کمرے کا دروازہ زور سے بند کر کے چلے گئے۔ پروین اور ساریکا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں سوچ میں پڑ گئے کہ آخر یہ غنڈے ہیں کون؟ کون ان کا مالک ہے؟ نانا جی نے اسی برے آدمی کے بارے میں ہم کو ہوشیار کیا تھا۔ لیکن ہم نے تو بہت ہوشیاری برتی تھی۔ کسی کو بھی چابیوں اور خط کے بارے میں خبر نہیں ہونے دی تھی پھر یہ اس کو کیسے پتہ لگا۔

سوچتے سوچتے پروین کی تو آنکھ لگ گئی لیکن ساریکا انگوٹھے میں درد کی وجہ سے سو نہ سکی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنے ماں پتا جی کی یاد آ گئی۔ اس وقت وہ کتنے بے سہارا ہو گئے تھے۔ رونے کے بعد ساریکا کا من کچھ ہلکا ہوا اور پھر سے اس میں کچھ ہمت آئی۔

تبھی کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ قدموں کی آواز کمرے کے سامنے آ کر رُک گئی۔ وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگی کہ اندر کون آ رہا ہے؟ آہستہ آہستہ دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر آیا۔ وہ لمبے قد کا تھا اس کا چہرہ اسکارف سے ڈھکا ہوا تھا۔

پروین نے بھی اس کے آنے کی آواز سنی۔ دونوں بچے دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ اندازہ کرنے لگے کون ہے یہ آدمی؟ اس کی صرف آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ بڑی ڈراؤنی تھیں۔

'' ٹھیک ہے''۔ آدمی نے کہا۔'' چابیاں میرے حوالے کر دو''۔

ساریکا کو اس کی آواز جانی پہچانی لگی۔ اس نے یہ آواز پہلے کہیں سنی ہے۔

لیکن آواز منہ پر بندھے کپڑے میں سے آ رہی تھی اس لیے پہچانی نہیں جا سکتی تھی۔

پروین نے اپنے کندھے کو اچکایا اور سر کو ہلایا۔

آدمی نے دوسرے آدمی کو پکارا۔'' کشور! لڑکے کے منہ سے کپڑا نکال دو''۔

ایک غنڈا اندر آیا اور پروین کے منہ پر بندھے کپڑے کو کھول دیا۔

'' چابیاں کہاں ہیں؟'' آدمی نے دوبارہ پوچھا۔

'' کون سی چابیاں؟'' پروین نے انجان بن کر کہا۔

’’ ارے بتا بھی دو۔ایسے انجان مت بنو۔اپنے نانا جی کی چابیوں کے بارے میں بتاؤ۔

’’میرے پاس کوئی چابیاں نہیں ہیں‘‘۔ پروین نے جواب دیا۔

’’تم سے کس نے کہا کہ چابیاں میرے پاس ہیں‘‘۔

اس آدمی نے پروین کو گھورا اور پروین نے بھی اسے اسی طرح گھورا۔

آدمی نے غنڈے کو حکم دیا۔’’لڑکے کی تلاشی لو‘‘۔

ساریکا کو حیرانی ہوئی کہ پروین کے پاس کچھ نہیں ملا۔ انھوں نے جیبوں کو اُلٹ دیا۔لیکن کوئی بھی چابی باہر نہیں گری۔

’’شاید لڑکی کے پاس ہو‘‘۔اُس کی بھی تلاشی لو۔آدمی نے مشورہ دیا۔

آدمی ساریکا کی طرف مڑا۔ اس نے سر ہلا کر اشارہ کیا کہ چابیاں اس کے پاس نہیں ہیں۔لیکن اس بات پر غنڈے نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ اس نے ساریکا کی بھی تلاشی لی۔لیکن کچھ نہیں ملا۔

’’چلو،ان کو اکیلا چھوڑ دو۔بھوک اور تھکاوٹ سے ان کی عقل ٹھکانے آجائے گی۔ وہ ہمیں بتادیں گے چابیاں کہاں ہیں؟‘‘ چلو ہم لوگ تالا توڑنے کی کوشش کریں۔لیکن تالا اور دروازہ دونوں ہی بہت مضبوط ہیں۔

تالا توڑنا بہت مشکل ہے بنا شور کیے، پھر بھی دیکھتے ہیں‘‘۔

دونوں غنڈے منہ بند کر کے وہاں سے چلے گئے۔

جو کچھ وہ کہہ رہے تھے ساریکا سب بہت دھیان سے سن رہی تھی۔ لیکن یہ آواز کس کی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ محل کے کسی نوکر کی تو نہیں ہے۔ آواز کم تعلیم یافتہ اور سنجیدہ تھی۔ یہ ہے کون؟

ساریکا بار بار سوچ رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں آنکھیں بند کر کے ہر شخص کو آواز کے ساتھ یاد کرنے کی کوشش کی۔ اچانک اس کو یاد آ گیا۔ ارے یہ بات اس کی سمجھ میں پہلے کیوں نہیں آئی؟ یہ آواز تو نانا جی کے ڈاکٹر پرساد کی ہے جو ان کا علاج کرتے ہیں۔

اچھا تو یہ وہ خراب آدمی ہے۔
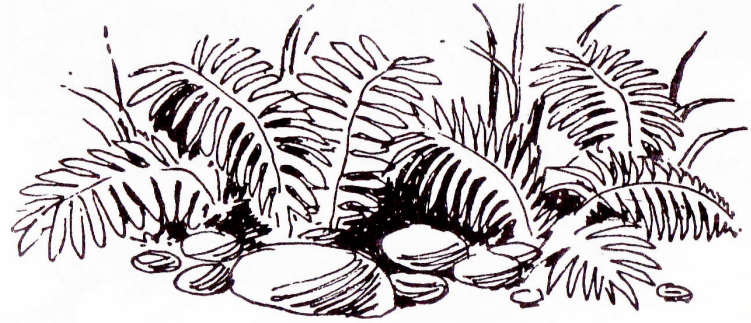
سنیل کی اُلجھن

سنیل پریشان تھا۔ پروین اور ساریکا کو گئے ہوئے کافی وقت ہو گیا تھا۔ وہ پہلے تو اکیلا ہی ادھر اُدھر گھومتا رہا۔ وہ تالاب کے پاس بھی بیٹھا رہا۔ وہ کھیلتے کھیلتے بور ہو گیا اور اندر آ گیا۔ منیا گھر میں کام کر رہی تھی۔ اس سے بھی بات کرنا مشکل تھا۔ وقت گزر نہیں رہا تھا۔

جب پروین اور ساریکا واپس نہیں لوٹے۔ اسے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ قلعے میں زیورات کا ڈبہ لانا کیا اتنا مشکل ہے۔

آخر میں وہ ڈرائنگ روم میں آ گیا اس نے دیکھا وہاں ایک بڑا سا گھنٹہ ہے۔ گھڑی میں ایک بج رہا ہے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا اور سنیل کو بھوک بھی لگ رہی تھی۔ لیکن وہ اکیلا کھانا نہیں چاہتا تھا وہ ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔

اسے اکیلے کھانا کھانے میں مزا نہیں آتا۔

سنیل کھانا کھانے چلو''۔ منیا زور سے بولی اور اس کی طرف آئی۔ اپنی آسمانی ساڑی کو سنبھالتی ہوئی بولی۔ ''ساریکا اور پروین کہاں ہیں؟''

سنیل نے سر ہلا کر کہا۔ ''مجھے نہیں معلوم!'' تبھی اسے ایک خیال سمجھ میں آیا اور وہ بولا۔ وہ دونوں راکیش کے گھر گئے ہیں اور وہیں کھانا کھائیں گے''۔

''انھوں نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ وہ گھر میں نہیں کھائیں گے۔ بابو جی نے تو پروین کی پسند کی چکن کری اور چاول بنوائے ہیں''۔ منیا نے کہا۔

''منیا! انھوں نے اچانک ہی جانے کا ارادہ کر لیا''۔

"وہ تمھیں کیوں چھوڑ گئے"۔ منیا نے پوچھا۔ کیا تم جانا نہیں چاہتے تھے۔

"نہیں! میں......اچھا۔ میں تمھارے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا منیا۔ اس لیے نہیں گیا۔

"تو یہ بات تھی"۔ مُنیا خوش ہوکر بولی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمھارے ساتھ صبح سے نہیں کھیل سکی۔ ہم دونوں کھانا کھانے کے بعد کھیلیں گے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"ٹھیک ہے۔ تم مجھے تالاب کے قریب والے پیڑ پر چڑھنا سکھانا۔

سنیل نے اکیلے ہی کھانا کھایا۔ پروین اور ساریکا کے واپس نہ لوٹنے سے وہ بہت فکرمند تھا۔

کھانے کے بعد سنیل اور منیا تالاب کے پاس چلے گئے ۔منیا نے سنیل کو پیڑ پر چڑھنا سکھایا اور یہ بھی بتایا کہ آہستہ آہستہ اوپر تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

"چلو اب پتے پانی میں پھینکیں"۔ دیکھیں کتنے پانی میں گرتے اور کس کس کو ہوا اُڑا کر لے جاتی ہے"۔ منیا بولی۔

سنیل نے سر ہلا کر کہا۔"نہیں میں کھیلنا نہیں چاہتا ۔اس کا دل اب کھیلنے میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ فکرمند تھا۔ اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

منیا نے پریشان ہوکر پوچھا۔"کیا بات ہے؟" تم کھیلنا کیوں نہیں چاہتے۔

سنیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ اتنا اُداس لگ رہا تھا کہ منیا گھبرا گئی۔

"تم کیوں اُداس ہو؟ کیا تمھاری کسی سے لڑائی ہوگئی ہے؟"

"نہیں"۔

"کیا پروین تم سے ناراض ہے اور وہ تمھیں ساتھ نہیں لے گیا"۔

"نہیں تو!"

"کیا ممی پاپا یاد آرہے ہیں؟"

"نہیں!" سنیل نے کہا حالاں کہ یہ بات کچھ حد تک ٹھیک ہی تھی۔

اگر اس کے ماتا پتا یہاں ہوتے تو وہ ان حالات کو خود سنبھال لیتے اور یہ ذمے داری اس پر نہ پڑتی۔

"تب تم اتنے دکھی کیوں دکھائی دے رہے ہو؟"

سنیل نے منیا کی طرف دیکھا یقیناً یہ میری دوست ہے۔

سنیل نے اسی وقت طے کرلیا کہ وہ منیا کو سب باتیں بتا دے گا۔

"منیا کیا تم کچھ راز اپنے دل میں رکھ سکتی ہو؟"

"ضرور کیوں نہیں۔ میں اپنی بات بھی تو اتنے دنوں تک دل میں رکھے رہی۔

"تو سنو! سنیل نے کہا اور پیڑ کی سب سے اونچی ڈال پر بیٹھ کر اس نے ساری بات منیا کو بتادی۔ لال کمرہ، ہری آنکھیں، نانا جی کا خط اور زیورات کے ڈبے کی تلاش۔ سنیل نے اسے پروین کے پلان کے بارے میں بھی بتایا کہ وہ سرنگ کے ذریعے قلعے کے اندر گیا ہے۔

وہ صبح صبح گئے تھے۔ سنیل نے غمگین لہجے میں کہا۔ ابھی تک نہیں لوٹے۔ ان کے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں ہوگیا؟"

اوہ! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" منیا نے ہمدردی سے پوچھا۔ ابھی تک میں

کچھ نہ کچھ تو کرتی''۔

سنیل کے دل کا بوجھ کچھ کم ہو گیا تھا۔'' کیا تم میری مدد کرسکتی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''ضرور! میں مدد کروں گی۔ ساریکا دیدی نے میرے اوپر بہت احسان کیا ہے۔ اگر میں ان کے لیے کچھ کرسکوں تو کتنا اچھا ہوگا''۔

''منیا تم بہت اچھی ہو''۔ سنیل کا دل اس کے لیے احسان سے لبریز ہو گیا۔

''اب کیا کریں؟'' کیا کسی بڑے آدمی سے صلاح لیں؟''

''نہیں! کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہی اسے سنبھال سکتے ہیں۔ منیا نے یقین دلایا۔ آؤ چلیں''۔

منیا ڈالی پر سے جھول کر اور کود کر نیچے آگئی۔ تب اس نے اپنی ساڑی ٹھیک کی اور سنیل کے پیڑ سے نیچے اُترنے کا انتظار کرنے لگی۔

جلدی کرو۔ اس نے کہا اور سنیل کا ہاتھ پکڑ کر کھیت کی طرف چل دی۔

تیز قدم بڑھاتے ہوئے منیا نے کہا'' جلدی کرو''۔

''لیکن کہاں؟ کیسے؟'' سنیل نے پوچھا۔

وہ اسے کھینچتے ہوئے بولی۔'' سرنگ میں اور کہاں؟''

بچاؤ مہم

پروین نے جیسے تیسے کر کے اپنا پہلو بدلا۔ رسّی کے کسنے کی وجہ سے اس کے پیر اور کلائی کٹے جا رہے تھے اور بہت درد ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی بھوک بھی لگ رہی تھی۔ پیاس سے اس کی زبان اور ہونٹ سوکھ گئے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کس وقت سے ایسی حالت میں پڑا ہے۔ لگتا تھا جیسے جانے کتنے گھنٹے گزر گئے۔

اب تک پروین کو یقین ہو گیا تھا کہ ہو نہ ہو یہ ظاہر شخص ڈاکٹر پرساد ہی ہے۔ لالچی کہیں کا۔

لیکن چابیوں کے بارے میں اس نے اس کو خوب بے وقوف بنایا۔ تلاشی لیتے ہوئے چابیاں اس کے پاس تھیں ہی نہیں۔ پکڑے جانے سے پہلے پروین نے ان کو دیوار کی ایک دراڑ میں چھپا دیا تھا۔

پروین جانتا تھا کہ کچھ دیر بعد چابیاں پھر مانگی جائیں گی۔ اگر کہیں اُنھوں نے ساریکا کو مارا تو؟ یہ سوچ کر اس کا خون کھولنے لگا۔

اچانک ہی اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ تبھی اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چوکنا ہو گیا اور اس نے اپنے کو تیار کر لیا۔

پہلے دروازے کا کنڈا آہستہ سے کھلا اور پھر کسی نے بہت احتیاط سے دروازہ کھولا۔

پروین سانس روکے پڑا رہا۔لیکن آنے والا کون ہے؟''

دروازے کی آڑ سے ایک سر دکھائی دیا۔ مانگ میں لال سیندور تھا۔

نیلی ساڑی میں ایک لڑکی بہت پھرتی سے اندر آ گئی اور اس نے جلدی سے اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ یہ منیا تھی۔

مُنیا دبی پاؤں تیزی سے چلتی ہوئی پروین اور ساریکا کے پاس پہنچ گئی۔اپنی کمر سے ایک چھوٹا چاقو نکال کر اس نے دونوں کے ہاتھ پیروں کی رسّی کاٹ دی اور پھر ان کے منہ میں ٹھونسا ہوا کپڑا بھی نکال دیا۔اور ان کو اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

پروین اور ساریکا چپ چاپ بنا کوئی سوال کیے مُنیا کے پیچھے پیچھے چل دیے۔کہیں وہ ظالم غنڈے آ نہ جائیں۔ ہر لمحے انھیں یہی ڈر تھا۔منیا دیوار کے ساتھ ساتھ دبے پاؤں چل رہی تھی۔ ہ کونے میں چھپتے اور کھلی جگہ جگہ پر بھاگ کر پار کر لیتے۔آخر وہ اس کھلی جگہ پر پہنچ گئے جہاں سرنگ کا دروازہ تھا۔

منیا نے ہانپتے ہوئے مگر دبی زبان میں کہا'' جلدی سے سرنگ کے اندر آ جاؤ''۔

ساریکا اس کے پیچھے لپکی۔

لیکن پروین اُلجھن میں پڑ گیا۔'' کیا اسے واپس جانا چاہیے؟''

زیورات بکس ابھی بھی دلہن کے کمرے میں پڑا تھا۔ وہ نانا جی کو کیسے کہے گا کہ وہ انھیں پانے میں ناکام رہا۔نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔

اس نے پکا ارادہ کیا'' میں زیورات کو بنا لیے نہیں جاؤں گا''۔

ساریکا ڈر کر بولی'' پروین واپس نہیں جاؤ''۔ وہ غنڈہ تمھیں مار دے گا''۔

پروین نے اپنا سر ہلایا اور بولا۔تم محل میں واپس جاؤ۔میں بعد میں آؤں گا۔یہ کہہ کر وہ پھر بلڈنگ کی طرف بھاگا۔

''میں بھی تمھارے ساتھ آ رہی ہوں''۔کہہ کر منیا بھی اس کے پیچھے بھاگی۔

پروین جلدی سے اس جگہ پہنچا جہاں اس نے چابیاں چھپائیں تھیں۔سارے راستے وہ سوچتا رہا کہ چابیاں وہاں ملیں گی بھی یا نہیں۔لیکن چابیاں ابھی بھی وہیں پڑی تھیں۔چابیاں لے کر وہ چھپتا ہوا دلہن کے کمرے میں پہنچا۔منیا بھی اس کے پیچھے پیچھے وہاں جا پہنچی۔

منیا باہر کی نگرانی تم رکھنا۔ جیسے ہی میں اندر جاؤں تم دروازہ باہر سے بند کر دینا۔کوئی بھی نہیں جان پائے گا کہ میں اندر ہوں اور مجھے زیورات تلاش کرنے میں زیادہ وقت مل جائے گا۔اس درمیان تم کہیں چھپی رہو۔تھوڑی دیر بعد آ کر دروازہ کھول دینا۔ٹھیک ہے نا؟''

منیا نے ہاں میں سر ہلایا۔

پروین نے تالا کھولا اور آہستہ سے اندر گھس گیا اور اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ منیا نے باہر سے دروازے پر تالا لگا دیا۔

پروین نے جلدی سے چاروں طرف دیکھا۔ کمرے میں بہت اندھیرا تھا۔کمرے

میں کہیں سے بھی ذراسی روشنی نہیں آرہی تھی۔ اس لیے گُھپ اندھیرا تھا۔اس نے ہاتھوں سے دیواریں ٹٹولیں لیکن ایسی کوئی جگہ نہیں ملی جس میں دوسری چابی لگ سکے۔ پروین سوچنے لگا کہ زیورات کا ڈبّہ آخر کہاں ہوسکتا ہے۔کیا اس کی دوسری تلاش بھی ناکام رہے گی؟

ناامید ہوکر ہانپتے ہانپتے وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ فکر مند تھا۔وقت نکلتا جارہا تھا اور کسی بھی وقت منیا دروازہ کھول دے گی۔ ناامید پروین زمین پر ہاتھ ٹکا کر بیٹھ گیا۔ اچانک اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے کچھ چھو گیا۔ اس نے انگلیوں سے پھر فرش کو چھو کر ٹٹولا۔ایک چھید پر اس کی انگلیاں ٹک گئیں۔اس میں کوئی شک نہیں تھا یہ ایک چابی کا ہی چھید تھا۔

پروین کا دل خوشی سے بھر گیا۔اس نے دوسری چابی نکال کر چھید میں لگانے کی کوشش کی اور وہ لگ گئی۔اس نے چابی گھمائی تو فرش کا چوکور حصّہ اوپر اُٹھ گیا۔ڈھکن کے نیچے کا فرش کھوکھلا تھا۔

پروین نے اس میں ہاتھ ڈالا تو ایک دھات کے ٹھنڈے ڈبے سے اس کا ہاتھ چھو گیا۔ یہی شاید نوادرات کا ڈبہ ہو'۔خوشی سے اُچھل پڑا۔ پروین نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ڈبہ باہر نکال لیا۔اسی وقت پروین کو دروازہ کھولنے کی آواز آئی۔

'' جلدی کرو پروین''۔منیا بدبدائی۔اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔کیا زیورات مل گئے؟

پروین نے کوئی جواب نہیں دیا۔لیکن اس کے چہرے کی چمک نے منیا کو سب کچھ

بتا دیا تھا''۔

''چلو جلدی چلیں؟'' وہ بولا۔

وہ دونوں دروازہ بند کیے بغیر ہی وہاں سے نکل بھاگے۔ وہ جلدی سے جلدی سرنگ میں گھس جانا چاہتے تھے۔ اس گھبراہٹ میں اپنی طرف بڑھتے ہوئے تین آدمیوں کو نہیں دیکھ سکے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر پرساد تھا۔

تیزی سے بھاگتے ہوئے پروین ڈاکٹر پرساد سے جاٹکرایا۔ اس کے پیچھے آتی ہوئی منیا دوسرے آدمی سے ٹکرا گئی۔

جانی پہچانی آواز نے کہا'' آرام سے آرام سے''۔

پروین نے سر اُٹھایا تو اس کی نظر ڈاکٹر کی غصّے بھری نظر سے جاٹکرائی۔
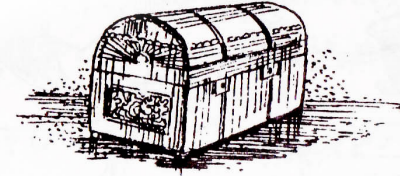
مدد کی درخواست

ساریکا جلدی جلدی لوہے کے چھلّوں پر پیر رکھتی ہوئی نیچے اُتر رہی تھی۔ وہ جلدی میں سرنگ میں پہنچ کر اپنی حفاظت چاہتی تھی۔ قید میں گزرا وقت بہت خطرناک تھا۔ پروین بے وقوف تھا جو دوبارہ دلہن کے کمرے میں گیا۔ اس طرح کے خیالوں میں کھوئی تھی کہ اسے پتا ہی نہیں لگا کہ آخری چھلّے پر کب پہنچی اور دھڑام سے سرنگ کے فرش پر گر پڑی۔

تبھی اسے لگا ایک چھوٹا سا سایہ اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ چلانے ہی والی تھی کہ اس نے سنیل کو پہچان لیا۔

اسے گلے لگا کر ساریکا بہت کوشش ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ سنیل نے پوچھا۔'' ساریکا دیدی۔ تم کہاں تھیں؟'' کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو نا؟''

''ہاں! میں تو ٹھیک ہوں۔ لیکن پروین زیورات لینے کے لیے پھر واپس گیا ہے۔ اس نے جلدی جلدی جو ان دونوں پر گزرا تھا۔ سب کچھ سنیل کو بتا دیا۔

میں نے پروین کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی۔ منیا بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ گئی ہے''۔

دونوں بڑی بے صبری سے پروین اور منیا کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن اوپر سے کوئی بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔ شام ڈھل رہی تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا اور سرنگ میں آہستہ آہستہ اندھیرا بڑھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سنیل نے آہستہ سے کہا۔'' ساریکا! کیا ہم کسی سے مدد مانگیں''۔

''کس سے''۔ ساریکا نے پریشانی سے پوچھا۔ پھر اس نے سوچا کہ اب غنڈے لالچی کا پتہ لگ گیا ہے تو دوسرے سب بے قصور ہیں''۔

''راکیش کے بارے میں کیا خیال ہے؟''سنیل نے مشورہ دیا۔

سنیل، راکیش اور ریکس کو ہمیشہ اپنا دوست سمجھتا تھا۔

ساریکا رراضی ہوگئی۔

سنیل نے جلد بازی کرتے ہوئے کہا ''چلو، چل کر سب کچھ اسے بتاتے ہیں''۔

''ٹھیک ہے چلو؟'' ساریکا نے جواب دیا۔لیکن ہمیں بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔ کہیں ہم پھر سے نہ پکڑے جائیں۔ وہ غنڈے بہت ہوشیار اور ظالم ہیں''۔

ساریکا اور سنیل نے سرنگ کو پار کرلیا۔ سرنگ کے منہ پر پہنچ کر انھوں نے بڑی ہوشیاری سے باہر جھانکا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔

ساریکا آہستہ سے بولی۔ چلو یہاں سے بھاگ چلیں''۔ دونوں دوڑ کر دیوار کے سہارے اور اس کی پڑتی چھایا میں چھپتے چھپاتے پھاٹک کے پاس تک پہنچ گئے۔ اس میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ راکیش اسی دروازے سے انھیں قلعے کے اندر لے گیا تھا۔

دروازے کے سامنے پہنچ کر ساریکا اُلجھن میں پڑگئی۔ کہیں راکیش بھی ان غنڈوں سے ملا ہوا نہ ہو؟ لیکن اب یہ سب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اس بیچ سنیل زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ تبھی ریکس کا بھونکنا سنائی دیا۔

سنیل نے چلا کر کہا۔ جلدی دروازہ کھولو۔ میں سنیل ہوں''۔ جلدی دروازہ کھولو''۔

تبھی دروازے کی طرف کسی کے آنے کی آواز سنائی دی اور بھونکتا ہوا ریکس بھی آتا

محسوس ہوا۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ ریکس باہر نکل آیا۔ وہ ابھی بھی بھونک رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ ریکس کے پیچھے پیچھے راکیش بھی مسکراتا ہوا باہر نکلا۔

بچوں کو ہانپتے ہوئے دیکھ کر اس نے پوچھا ''کیا بات ہے؟'' اس کی نظر ساریکا کے مٹی لگے کپڑوں کی طرف گئی۔

''آؤ اندر آؤ۔ آخر بات کیا ہے؟ کوئی پریشانی ہے''۔ کہتے ہوئے اس نے دونوں کو آرام سے دیوان پر بٹھایا۔ پھر انھیں گرم دودھ کا گلاس دیتے ہوئے کہا۔

پہلے دونوں دودھ پی لو۔ تم دونوں کافی تھکے ہوئے اور پریشان لگتے ہو۔

ریکس! شور بند کرو۔ اب بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے۔

راکیش کی ہمدردی نے ساریکا کے من کا شک دور کردیا اور اس نے اپنے پکڑے جانے کے بعد کی پوری کہانی سنائی''۔

''اُف''۔ بے چارے راکیش کے منہ سے نکل پڑا۔ ''سچ میں تم لوگوں نے بڑی بہادری دکھائی۔ پروین پھر دوبارہ زیورات لینے گیا ہے۔ میرے خیال سے اب یہ سب باتیں بڑوں کو پتہ لگنی چاہئیں۔ تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟''

ساریکا نے سر ہلا کر اپنی مرضی بتادی۔

ریکس کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔ چلو دیکھیں کہ آخر قلعے میں ہو کیا رہا ہے۔ تم میں سے کون میرے ساتھ چلنا چاہتا ہے؟''

ساریکا کے من کا بوجھ اب کچھ ہلکا ہو گیا تھا۔ سنیل بھی خوش دکھائی دے رہا تھا۔

دونوں نے ایک ساتھ کہا ''ہم دونوں ہی چلیں گے''۔

بہت اچھا۔ آؤ جلدی چلیں''۔

وہ دونوں راکیش کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئے۔ ریکس سب سے پیچھا تھا۔ باہر اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا لیکن راکیش کے پاس ٹارچ تھی۔ وہ اپنے گھر کے باہر ہی رُک کر بولا۔ ''چلو اپنے کچھ آدمی بھی ساتھ لے لیں۔ شاید اُن کی ضرورت پڑے''۔

اس نے اپنے ایک نوکر کو بلا کر کہا۔ ''جاؤ اور کچھ لوگوں کو بلا لاؤ''۔ اور ہاں لالٹین بھی لے آنا۔ ہمیں بچوں کو ڈھونڈنا ہے''۔

جلد ہی چار آدمی آ گئے۔ لالٹین لیے آدمیوں کے ساتھ راکیش ریکس، ساریکا اور سنیل ایک چھوٹے سے جلوس کی شکل میں منیا اور پروین کی تلاش میں چل پڑے۔

پیچھا کیا

جب وہ سب قلعے کے مشرق حصّے میں پہنچ گئے تو راکیش نے ریکس کو آواز دی۔

''چلو ریکس پروین کو تلاش کرو''۔ پروین۔ پروین کو۔ اس نے پیار سے ریکس سے پھر کہا۔ پروین کو ڈھونڈو''۔

ریکس اپنے مالک کو دیکھتا ہوا چپ چاپ کھڑا رہا۔

''تم بہت اچھے ہو ریکس''۔ اس نے جھک کر ریکس کو تھپتھپایا اور پھر دہرایا۔

پروین کو، جاؤ اسے ڈھونڈ کر لاؤ''۔

بھوں۔ بھوں۔ کرتا ہوا ریکس آگے دوڑنے لگا پھر وہ واپس آ گیا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے اُس نے اپنے مالک سے سوال کیا۔

''ہاں۔ ہاں۔ ٹھیک ہے بہت اچھا بیٹا ہے گڈ بائی۔ راکیش نے ریکس کو ہمت دلائی۔ ایسا لگتا تھا مانو ریکس سب کچھ سمجھ رہا ہو، پھر وہ دوسری طرف چل دیا۔ وہ زمین کو سونگھتا ہوا چل رہا تھا اور اس کی دُم ہوا میں لہرا رہی تھی۔

''چلو ریکس کے پیچھے چلتے ہیں''۔ راکیش بولا۔ سب لوگ ریکس کے پیچھے چل دیے۔

ریکس آگے آگے دوڑ رہا تھا۔ ریکس خالی کمروں سے گزرتا ہوا دلہن والے کمرے تک پہنچ گیا۔ سب لوگ اس کے پیچھے اندر گھس گئے۔ راکیش نے چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ پھر روشنی فرش پر ٹھیک چابی کے سوراخ پر پڑی۔

''کیا زیورات اس کمرے میں تھے؟'' راکیش نے پوچھا۔

"ہاں!" ساریکا نے جواب دیا۔" لیکن اب نہیں ہیں شاید پروین یا کوئی اور لے گیا ہے"۔

سب لوگ اُلجھن میں پڑ گئے۔" وہ دونوں کہاں گئے؟"

سنیل پُر امید ہو کر بولا" شاید وہ سرنگ میں چلے گئے ہوں"۔اتنا کہہ کر وہ کنویں کے پاس جا کر پروین کو پکارنے لگا۔اس کے پیچھے پیچھے سب لوگ وہیں پہنچ گئے۔

پروین کیا تم سرنگ میں ہو؟مُنیا،مُنیا سنیل نے پھر آواز لگائی۔

لیکن وہاں سکوت چھایا ہوا تھا۔وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔

تبھی اچانک ریکس مخالف سمت بڑھنے لگا۔

" چلو دیکھیں ریکس کہاں جا رہا ہے؟" سنیل بولا۔

راکیش نے چاروں طرف ٹارچ گھمائی۔روشنی میں فرش پر کچھ پڑا ہوا دکھائی دیا۔سنیل نے جلدی سے اسے اُٹھالیا۔یہ ایک نیلے کپڑے کا ٹکڑا تھا۔

" دیکھو۔اس کا مطلب ہے وہ یہیں تھے"۔سنیل مضبوط لہجے میں بولا۔یہ مُنیا کی ساڑی کا ٹکڑا ہے"۔

راکیش جب کپڑے کو دیکھ رہا تھا تو ریکس نے بھی اسے سونگھا۔راکیش نے پوچھا۔تمھیں یقین ہے کہ یہ مُنیا کی ساڑی کا ٹکڑا ہے؟"

" ہاں۔میں اسے پہچانتی ہوں"۔ساریکا نے ہامی بھری۔

"چلو،تب تو ریکس سے ہی انھیں ڈھونڈنے کے لیے کہا جائے۔ریکس چلو منیا کو ڈھونڈو"۔راکیش نے حکم دیا۔ریکس نے پھر نیلے کپڑے کو سونگھا اور آہستہ آہستہ ہوشیاری سے آگے بڑھنے لگا۔کچھ دور پر اسے ساڑی کا ایک ٹکڑا مل گیا۔ریکس

اسے اپنے دانتوں میں دبا کر راکیش کے پاس لے آیا۔

" ریکس بہت اچھا اور ہوشیار ہے"۔راکیش نے ریکس کی بہت تعریف کی۔

ریکس خوش ہو کر پھر آگے بڑھا اور ایک تیسرا ٹکڑا ڈھونڈ کر اُٹھالایا۔

ساریکا نے دوڑ کر اسے ہاتھ میں لیا۔" ایسا لگتا ہے مُنیا نشانات چھوڑتی ہوئی گئی ہے"۔ساریکا خوش ہو کر بولی" مُنیا کتنی ہوشیار ہے"۔

وہ حقیقت میں،ہی راستے کے نشان تھے اور ایک کے بعد ایک ملتے گئے۔نشانات کے ساتھ ساتھ وہ سب گھوم پھر کر قلعے کے بڑے پھاٹک پر پہنچ گئے۔چھوٹا دروازہ کھلا تھا اور وہاں کا چوکیدار بھی غائب تھا۔

راکیش اپنے آپ میں بڑبڑایا" یہاں ڈیوٹی دینے ولا چوکیدار کہاں گیا؟"

" شاید چوکیدار بھی ڈاکٹر سے ملا ہوا ہے"۔ساریکا نے کہا۔" اور شاید ان ہی لوگوں نے ہمیں قلعے میں پکڑا تھا۔

" اب سمجھ میں آیا کہ ڈاکٹر کیسے اپنی مرضی سے قلعے میں آتا جاتا تھا۔اسے کوئی روکنے والا تو تھا نہیں"۔

ریکس دروازے سے باہر چلا گیا اور وہ سب لوگ اس کے پیچھے پیچھے باہر نکلے۔باہر بھی ایک ٹکڑا پڑا ہوا ملا۔ریکس نے اُچھل کر کپڑے کو جھپٹ کر اُٹھالیا اور زور سے بھونکنے لگا۔اپنی دُم ہلاتا ہوا وہ چکر کاٹنے لگا۔ریکس پریشان تھا اور لگتا تھا کہ مُنیا کی بُو کو تلاش نہیں کر پا رہا۔

" ریکس! کیا تم مُنیا کو نہیں ڈھونڈ پا رہے ہو؟" پھر سے کوشش کرو۔راکیش نے ہمّت بندھائی۔

ریکس دوبارہ بھاگا۔ لیکن اب وہ سونگھ نہیں پا رہا تھا جو اس کو راستہ بتاتی۔ اب کوئی نشان بھی نہیں مل رہے تھے۔

راکیش نے ٹارچ کی روشنی سڑک پر ڈالی۔ وہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ سب طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ لالٹین ہے۔ آدمی بچوں کی تلاش میں ادھر اُدھر چل پڑے۔

ایک آدمی جو کافی آگے نکل گیا تھا۔ اچانک چلایا۔ ''مجھے کپڑے کا ایک اور ٹکڑا ملا ہے۔ وہ سب بھاگ کر اُس آدمی کے پاس جا پہنچے۔ اس نے کپڑے کا ٹکڑا دوسرے لوگوں کو دکھایا۔ صرف راکیش آہستہ آہستہ اپنی ٹارچ کی روشنی میں سڑک پر کچھ ڈھونڈتا ہوا یقین کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے اشارہ کر کے دکھایا۔ ''یہ دیکھو جیپ کے ٹائروں کے نشان۔ لگتا ہے جیپ ابھی ابھی ادھر سے گئی ہے۔ دیکھو! غنڈے جیپ میں گئے ہیں اور مُنیا کو بھی ساتھ لے گئے ہیں۔ اسی لیے یہ کپڑے کا ٹکڑا اتنی دوری پر پڑا ملا ہے۔

''پروین بھی ضرور ان کے ساتھ ہوگا''۔ ساریکا نے درد بھرے دل سے کہا۔

''وہ اس کا کیا کریں گے۔ سنیل نے فکرمندی سے پوچھا۔

''فکر مت کرو! راکیش نے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

''ہم جیپ کا پیچھا کرتے ہیں۔ اتنے کم وقت میں وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ میں اپنی جیپ لاتا ہوں۔ وہ باہر ہی کھڑی ہے۔

راکیش بھاگتا ہوا جیپ لینے چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں جیپ لے کر آ گیا۔ اس نے جیپ کو کچھ لمحے کے لیے ہی روکا اور بولا۔

''جلدی سے جیپ میں بیٹھ جاؤ''۔ سنیل اور ساریکا پھرتی سے ریکس کے ساتھ

آگے کی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

جیپ کی رفتار تیز کرتے ہوئے راکیش نے کہا'' ذرا سنبھل کر بیٹھنا''۔

جیپ کچی سڑک پر تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ اس کے آگے کی لائٹ کی روشنی اندھیرے کو چیرتی ہوئی راستہ دکھا رہی تھی۔ ابھی پندرہ منٹ ہی گزرے تھے۔

راکیش جیپ بہت تیز چلا رہا تھا۔ وہ دیکھو لال لال تارے''۔

سنیل تیز آواز میں بولا۔ وہ ہلتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔

''وہ تارے نہیں ہیں''۔ راکیش نے کہا۔ اس کے منہ پر کامیابی کی مسکراہٹ تھی۔ وہ جیپ کے پیچھے کی لال بتیاں ہیں۔ اب ہم دھیرے دھیرے ان ہی کے پاس پہنچ رہے ہیں''۔
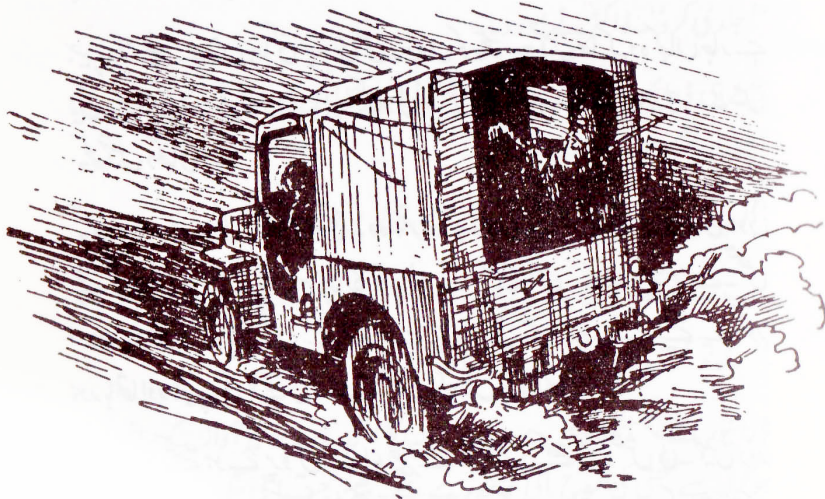
بے یارومددگار

پروین اور مُنیا ڈاکٹر سے ٹکرانے کے بعدزبردستی قلعے سے باہر لائے گئے۔ پھر انھیں دھکا دے کر جیپ کے اندر پیچھے ڈال دیا گیا۔ دو آدمی بھی چڑھ کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر خود قیمتی زیورات کا ڈبہ لے کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''اب چلو'' اس نے ڈرائیور کو حکم دیا اور جیپ تیزی سے آگے بڑھی۔

اب دن ڈھل چکا تھا اور اندھیرا پھیل گیا تھا۔ پروین اور مُنیا پاس پاس بیٹھے تھے۔ غنڈے بڑی ہوشیاری سے ان کی نگرانی کر رہے تھے اور وہ نکل بھاگنے کی کوئی ترکیب نہیں سوچ پا رہے تھے۔ ان غنڈوں میں سے کسی نے نہیں دیکھا کہ مُنیا اپنی ساڑی پھاڑ پھاڑ کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھینک رہی ہے۔ یہاں تک کہ پروین کو بھی اس کا پتہ نہیں لگا۔

جیپ اندھیرے میں بھاگتی جا رہی تھی۔ بچوں کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ پروین نے سر نکال کر باہر دیکھنے کی کوشش کی لیکن رات کے اندھیرے میں کچھ نہیں دکھائی دیا۔

کچھ دیر بعد جیپ کی رفتار کم ہوگئی۔ وہ پتھر اور چٹانوں سے ٹکرا کر ہچکولے کھاتی ہوئی چلنے لگی۔ پروین نے پھر باہر جھانکا تو پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر پڑے۔ تبھی اسے پتہ لگا کہ وہ پانی میں سے گزر رہے ہیں۔ پانی میں پہیوں کے چلنے سے شور ہو رہا تھا اور جیپ کی پیچھے کی لائٹ کا عکس پانی میں پڑ رہا تھا۔

غور سے دیکھتے ہوئے پروین نے اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کی۔ کہیں دور سے روشنی کی ایک کرن دکھائی دی تھی۔ وہ ہوشیار ہوگیا۔ وہ خوشی سے دیکھ رہا تھا کہ

وہ موٹر یا جیپ کی دو لائٹس تو نہیں ہیں۔ اس نے سوچا کہ ہو نہ ہو یہ موٹر یا جیپ کی آگے کی لائٹس ہی ہیں۔

اب تک غنڈوں نے بھی وہ لالٹین دیکھ لی تھیں۔ انھوں نے ڈاکٹر کو ہوشیار کر دیا اور ڈاکٹر نے بھی مُڑ کر ان لائٹس کو دیکھا۔ وہ چلا کر ڈرائیور سے بولا ''تیز چلاؤ''۔ لیکن ڈرائیور چٹان، پتھروں اور پانی میں جیپ کو اور زیادہ تیز نہیں چلا سکتا تھا۔

''ارے بابا! ذرا تیز چلاؤ''۔ ڈاکٹر نے گھبرا کر کہا۔

''میں بہت تیزی سے چلا رہا ہوں سر''۔ ڈرائیور نے جواب دیا۔

''نیچے پانی بہت ہے''۔

پروین لائٹس کو قریب سے قریب تر آتے دیکھ رہا تھا۔ وہ خوش ہو رہا تھا شاید کوئی ہمیں بچانے آ رہا ہے۔

''جلدی کرو''۔ ڈاکٹر نے زور دیا۔

جیسے ہی ڈرائیور نے پیر سے ایکسلیٹر دبایا جیپ کا انجن تیز ہوگیا۔ پہیوں سے پانی اُچھلا اور تبھی جیپ اچانک رُک گئی۔

''اب کیا ہوگیا ہے؟'' ڈاکٹر نے بے چین ہو کر پوچھا۔

جیپ کے اگلے پہیوں کے نیچے ایک بڑا پتھر آ گیا ہے''۔ وہ جام ہوگیا ہے سر''۔

''کچھ تو کرو''۔ ڈاکٹر پرساد نے گھبرا کر حکم دیا۔

ڈرائیور نے ایکسلیٹر کو پیر سے دبایا تو جیپ کا انجن پھر سے تیز آواز کے ساتھ چالو ہوگیا۔ پہیے متھنی کی طرح پانی کو متھ رہے تھے۔ لیکن جیپ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔
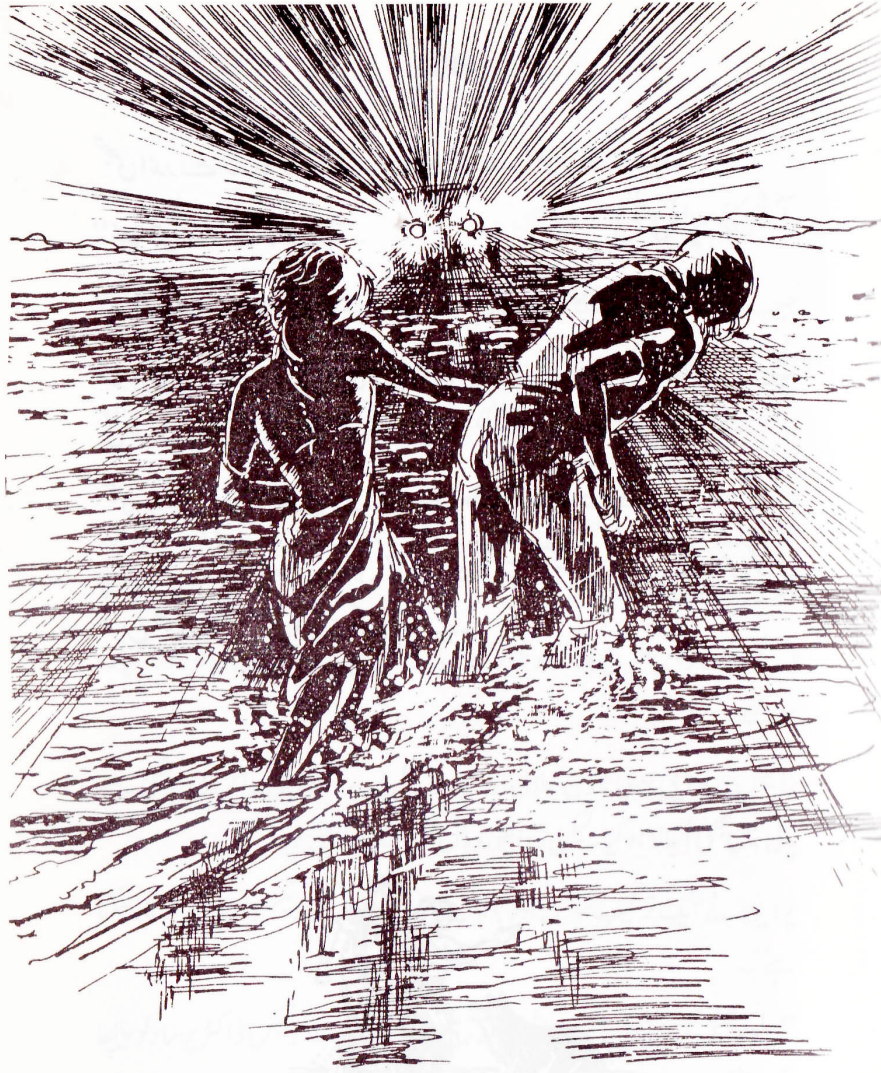
وہ پھنس گئے تھے۔

''نیچے اُتر کر پتھر کو ہٹادو''۔ ڈاکٹر نے غصّے میں حکم دیا۔

ایک آدمی نیچے اُترا۔ اس نے دوسرے آدمی کو بھی نیچے اُتار کر جیپ کو دھکا لگانے کی کوشش کی۔

یہ بچوں کے لیے بھاگنے کا اچھا موقع تھا۔ پروین نے مُنیا کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرانے لگی۔

پروین فٹ بورڈ پر پیر رکھ کر نیچے کود گیا۔ لیکن پانی میں گرتے ہی وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا۔ پانی بہت ہی ٹھنڈا تھا۔ قابو پانے کے لیے اس نے جیپ کو پکڑلیا۔ ایک بار پھر چھپ سے ہوا۔ مُنیا بھی نیچے کود گئی تھی۔

''ارے، ارے بچے بھاگ رہے ہیں۔ پکڑو ان کو، جانے مت دو''۔

پروین اور مُنیا نے یہ چیخ و پکار تو سنی لیکن پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا۔ پانی میں نکیلے اور چکنے پتھر تھے۔ ان کے پیر زخمی ہو گئے۔ لیکن پھر بھی وہ بھاگتے ہی رہے۔ ان کے لیے یہ ضروری تھا کہ پھنسی ہوئی جیپ سے وہ کافی دور نکل جائیں۔

غنڈے یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ وہ جیپ کے نیچے سے پتھر ہٹائیں یا بچوں کا پیچھا کریں؟

پروین نے مُنیا کا ہاتھ پکڑا اور اسے پانی میں سے نکلنے میں مدد کی۔

وہ بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ پیچھے آنے والی گاڑی کافی قریب پہنچ چکی تھی۔ اس کی بتّیوں کی روشنی آنکھوں کو چوندھیا رہی تھی۔ پروین نے روشنی سے بچنے کے لیے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

انھیں گاڑی کے اندر سے ریکس کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔

وہ راکیش کی جیپ تھی جو پاس آتے ہی رُک گئی۔ انھیں راکیش کی آواز سنائی دی۔ ''پروین کیا واقعی تم ہی ہو؟''

تبھی اندر سے ساریکا بول پڑی۔ ''پروین ہی ہے۔ بھگوان کا شکر ہے۔

''مُنیا بھی تمھارے ساتھ ہے''۔

''پروین بھیا! تم ٹھیک تو ہونا؟''سنیل نے اپنی باریک آواز میں پوچھا۔

غنڈوں سے چھٹکارا پا کر پروین نے سکون کی سانس لی۔ مُنیا کا ہاتھ پکڑ کر وہ جیپ کی طرف لپکا۔ اسے دیکھتے ہی ریکس نیچے کود پڑا اور پروین کا ہاتھ چاٹنے لگا۔

تبھی راکیش بولا۔'' جلدی سے اندر آجاؤ۔ وقت برباد مت کرو''۔

پروین جیپ میں چڑھتا ہوا بولا۔'' زیورات کا ڈبّہ ڈاکٹر کے پاس ہے۔ اس کو کسی طرح بھی روکو''۔ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

آخر کامیابی ملی

جیپ کی آگے کی لائٹس جلنے سے سارا علاقہ جگمگا اُٹھا۔ اب پھنسی ہوئی جیپ صاف دکھائی دے رہی تھی۔ راکیش نے اپنی جیپ کو پتھروں سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے پانی میں اُتار دیا ڈاکٹر کے آدمیوں نے راکیش کی جیپ دیکھی اور اس سے پوچھا وہ کیا کریں؟

ڈاکٹر نے ان کی پرواہ نہیں کی۔ اس نے جیپ میں سے زیورات کا ڈبہ اُٹھایا اور اندھیرے میں بھاگنے لگا۔

اپنے مالک کو اس طرح بھاگتا دیکھ نوکروں نے بھی جیپ وہیں چھوڑی اور نو دو گیارہ ہو گئے۔

راکیش نے اپنی بڑی ٹارچ جلائی اور چاروں طرف روشنی ڈالی۔ اس کی روشنی سے پانی میں بھی اُجالا ہو گیا۔ لیکن ڈرائیور وہاں کہیں نہیں دکھائی دیا۔

پروین نے ایک ترکیب سوجھی اور بولا'' میرے خیال سے ریکس اسے ضرور پکڑ سکتا ہے''۔

''چلو کوشش کرتے ہیں''۔ راکیش نے ریکس کو اشارہ کیا۔'' ریکس ڈاکٹر پرساد کو پیچھا کرو؟''

ریکس سے دوسری بار کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ پانی میں کود کر بھاگا۔

ٹارچ کی روشنی میں وہ صاف دیکھ سکتے تھے کہ ریکس کس طرف تیزی سے جا رہا ہے۔

وہ ایک پتھر سے دوسری پتھر پر پیر رکھتا ہوا کودتا چلا جا رہا تھا۔

پروین بولا۔ چلو ہم لوگ ریکس کے پیچھے چلیں۔ وہ شاید اسی طرف جا رہا ہے۔

وہ سب جیپ میں بیٹھ گئے۔ راکیش نے جیپ اسٹارٹ کر دی۔ وہ اسی سمت چل پڑے جس سمت ریکس گیا تھا۔ پروین ٹارچ سے روشنی ڈالتا رہا۔

ریکس ندی سے دور پیڑوں کے جھنڈ کی طرف دوڑ رہا تھا۔

پروین چلایا۔ ''وہ رہا ڈاکٹر''۔ راکیش جلدی کرو۔

اب جیپ بھی پانی میں سے گزر کر سوکھی زمین پر آ گئی تھی اور تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ وہ سب سڑک چھوڑ کر جنگل کی طرف چل پڑے۔ سڑک اونچی نیچی تھی اور راکیش بڑی ہوشیاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔

ٹارچ کی روشنی ریکس پر پڑی تو انھوں نے دیکھا وہ اُچھلتا کودتا بھاگا جا رہا ہے۔ اس کے تھوڑا سا آگے ہی ڈاکٹر بھی بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ریکس اس کے پیروں کو اپنے منہ سے چھوتا ہوا زور زور سے بھونک رہا تھا۔ ڈاکٹر نے ریکس کے ڈر سے اور بھی تیزی سے بھاگنا چاہا لیکن ریکس نے ڈاکٹر کے پیر پکڑ لیے۔ ڈاکٹر زمین پر گر گیا اور ریکس نے دونوں پنجے اس کے کندھوں پر رکھ دیے۔

ڈاکٹر چلا پڑا ''بچاؤ بچاؤ''۔ کتے کو بلالو۔

راکیش نے اپنی جیپ ڈاکٹر کے پاس لے جا کر روک دی۔ ریکس ڈاکٹر کو کس کر دبوچے ہوئے تھے اور راکیش کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔

ڈاکٹر زمین پر پڑا ہوا تھا اور زیورات کا ڈبہ اپنے سینے سے چپکائے تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ ذرا سا بھی ہلا تو کتا دبوچ لے گا۔ اسی خیال سے وہ چپ چاپ پڑا رہا۔

پروین اور راکیش اور ان کا نوکر دوڑ کر ڈاکٹر کے پاس پہنچے اور پروین نے اس سے زیورات کا ڈبہ چھین لیا۔

راکیش نے ڈاکٹر کی قمیض پکڑ کر اسے اُٹھایا اور جیپ کے پاس کھینچ لایا۔

''جیپ میں بیٹھو'' اس نے سختی سے حکم کے لہجے میں کہا۔ ڈاکٹر نے چپ چاپ اس کا کہنا مان لیا اور جیپ کی پچھلی سیٹ پر جا بیٹھا۔ راکیش کا نوکر اور ریکس اس کے دائیں بائیں اس کی نگرانی کے لیے بیٹھ گئے۔

راکیش نے جیپ کو چاندی پور کی طرف موڑ دیا اور بولا۔

''اب پہلے پولس اسٹیشن چلتے ہیں''۔

معاف کردیا

سورج نکلے ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا۔ سورج کی کرنیں کھڑکی میں سے کمرے میں پڑ رہی تھیں۔ لیکن تینوں بچے ابھی تک سو رہے تھے۔

رات میں وہ سب پولس اسٹیشن میں تھے۔ وہاں سے صبح ہی لوٹے تھے۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے اور نیند سے ابھی بھی ان کی آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔ لیکن اپنی کامیابی پر بہت خوش تھے۔ ڈاکٹر کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس کے ساتھی بھی پکڑے گئے تھے۔

پروین زیورات کا ڈبہ بہت احتیاط سے پکڑے رہا۔ گھر پہنچ کر سب سے پہلے اس نے بکس کو الماری میں بند کر دیا۔ اس نے دل میں سوچا تھا کہ صبح ہوتے ہی وہ انھیں اپنے نانا جی کو دے دے گا۔

کسی نے زور سے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا اور تینوں بچے جاگ گئے۔

''پروین بابو''۔ آپ سب کو نانا جی بلا رہے ہیں''۔ مُنیا کا پِتا دروازے پر کھڑا تھا۔ رات میں وہ کافی پریشان تھے۔ وہ بار بار آپ کو پوچھ رہے تھے۔ میں انھیں کیسے بتاتا کہ آپ تینوں ہی یہاں نہیں ہیں۔ آپ کے واپس آنے سے ذرا دیر پہلے ہی ان کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اب وہ جاگ رہے ہیں اور آپ کو پوچھ رہے ہیں۔'' مہربانی کر کے جلدی سے آیئے''۔

پروین اُچھل کر بستر سے باہر آ گیا۔ سنیل اور ساریکا بھی اُٹھ بیٹھے۔

ساریکا بولی ''چلو فوراً ان کے پاس چلو۔ مجھے امید ہے وہ بالکل ٹھیک ہوں گے''۔

''ہم نانا جی کو زیورات کا بکس بھی دکھا دیں گے''۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور ہمارے اوپر فخر کریں گے اور شاید ان کی صحت بھی ٹھیک ہو جائے''۔

پروین نے زیورات کا بکس لے لیا اور ساریکا سنیل کے ساتھ رامو کے پیچھے پیچھے چل دیے۔

جیسے ہی وہ تینوں نانا جی کے کمرے کے پاس پہنچے۔ دروازہ کھلنے اور بند کرنے کی اور کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنائیں دیں۔

سب نے سوچا کہ کیا یہ لوگ ملنے والے ہیں یا پولیس کے سپاہی؟

رامو بھاگ کر دروازے پر گیا۔

''کیا وہ آگئے ہیں؟'' اس نے جوش میں آکر پوچھا۔

''کون؟'' سنیل نے رامو کے پیچھے کھڑے ہو کر اس سے پوچھا۔

تبھی انھوں نے دیکھا سیڑھیوں کے پاس ایک گاڑی کھڑی ہے۔ اس میں سے ایک عورت باہر نکل رہی ہے اور اس کے پیچھے ایک لمبا سا آدمی بھی ہے۔

رامو دونوں آنے والوں کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ سیڑھیوں سے اُترتا ہوا بولا ''میں جانتا تھا کہ وہ ضرور آئیں گے''۔

''ارے یہ تو ماں ہے''۔ سنیل چلایا'' اور پتا جی بھی ساتھ آئے ہیں۔ وہ دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ کودتا ہوا نیچے اُتر گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ساریکا بھی تھی۔ پروین زیورات کا ڈبہ لیے اوپر ہی کھڑا رہا۔

''آپ یہاں کیسے آئیں ماں؟'' ساریکا نے پوچھا۔

''ہمیں رامو کا تار ملا تھا کہ تم تینوں غائب ہو ہم تو بہت گھبرا گئے تھے اور فکرمند بھی تھے۔ کیا ہوا تھا؟ تم سب کہاں تھے؟

''تم سب ٹھیک ہو نہ؟'' ان کی ماں نے جواب دیا۔

''ہاں۔ہاں''۔ساریکا نے جواب دیا۔

ہم بالکل ٹھیک ہیں۔

''یہاں تو بہت کچھ ہوا ماں''،سنیل بولا۔

ہم نے کچھ بدمعاشوں کو پکڑا اور تمھارے لیے زیورات کا ڈبہ ڈھونڈ نکالا''۔

''زیورات؟ بدمعاش؟''ان کے پتا نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟''پروین!سنیل کیا کہہ رہا ہے؟''

پروین نے زیورات کا ڈبہ ان کے سامنے کر دیا۔

''یہ رہا''۔اس نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔''نانا جی نے ہمیں اس کو قلعے کی ایک خفیہ جگہ سے ڈھونڈ لانے کو کہا تھا کیوں کہ وہ بہت بیمار ہیں۔اس لیے وہ خود نہیں لا سکتے تھے۔باپ رے باپ۔یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔لیکن ہم نے ان کو آخر پکڑ ہی لیا اور یہ رہا زیورات کا ڈبہ''۔

''لیکن یہ ہے کیا؟''اس کے پتا جی نے پریشانی سے پوچھا۔

''یہ نانا جی کا خزانہ ہے۔ماں کے سب زیور ہیں اس میں''۔پروین نے بتایا۔

اسی وقت ساریکا نے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ماں، نانا جی بہت بیمار ہیں۔اب ان کی دیکھ بھال کے لیے کوئی ڈاکٹر بھی نہیں ہے''۔

ساریکا نے اپنی ماں سے کہا۔

''کیوں۔ڈاکٹر کہاں ہے؟''ساریکا کی ماتا جی نے پوچھا۔

''وہی تو زیورات کو ہتھیانا چاہتا تھا''۔پروین بول اُٹھا۔

''پولس نے اسے گرفتار کر لیا ہے''۔

''جلدی چلو۔چل کر نانا جی کو سب باتیں بتائیں''،سنیل نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔

''پروین!ہمیں نانا جی سے ملنا ہے''۔ساریکا نے کہا۔

''تم سب ان سے ملنے جاؤ''۔ماں نے کہا۔

''ماں! آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے''۔ساریکا نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

اسے نانا جی کا لکھا ہوا خط یاد آ رہا تھا۔''آیئے چل کر ان سے ملیے''۔

''نہیں''۔ماں نے جھجکتے ہوئے کہا۔وہ اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگیں۔

رامو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔راجکماری جی،راجہ صاحب!بہت غم زدہ ہیں۔وہ بیمار بھی ہیں اور اب بہت بدل گئے ہیں۔میں ان کی دیکھ بھال کرتا ہوں اس لیے یہ سب جانتا ہوں۔انھیں اس وقت آپ سب کی اور آپ کی پیار کی بہت ضرورت ہے''۔

راموکی آواز بھرا گئی اور آنکھیں نم ہوگئیں۔وہ پیچھے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

رامو کا اتنا کہنا ہی ساریکا کی ماتا جی کے لیے کافی تھا۔انھوں نے دوبارہ اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔انھوں نے سر ہلایا اور وہ دونوں سب کے ساتھ بزرگ راجہ صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔وہ سب کمرے کے سامنے پہنچ کر رُک گئے۔پروین نے دروازہ کھولا۔ساریکا بھی اس کے پیچھے تھی۔

''پروین تم آ گئے بیٹا''۔پلنگ سے بہت دھیمی آواز آ رہی تھی۔

''ہاں، نانا جی''۔پروین زیورات کا ڈبہ لے کر آگے بڑھا۔''یہ رہا آپ کا ڈبہ، وہ خزانہ جو آپ حاصل کرنا چاہتے تھے۔اس کو حاصل کرنا بہت مشکل تھا۔لیکن ہم نے کامیابی حاصل کی۔

”ڈبہ کھولو۔ میرے بیٹے“۔

پروین نے ڈبہ کھولا۔ اس کے اندر سونا ہیرے جواہرات اور قیمتی زیورات چمک اُٹھے۔

”باپ رے۔ پروین نے سرگوشی کی۔ ”یہ زیورات تو بہت قیمتی ہیں اس لیے چور ان کے پیچھے تھے۔

سنیل بولا” نانا جی آپ جانتے ہیں پروین اور ساریکا نے زیورات کی تلاش میں بہت مصیبتوں کا سامنا کیا ہے۔ ان کو چوروں نے پکڑ کر قلعے کے اندر بند کر دیا تھا۔ اگر مُنیا ان کو نہیں چھڑاتی تو ابھی تک وہیں بند ہوتے اور ہاں! ہم نے چوروں کو بھی پکڑ لیا ہے۔ چور آپ کا ڈاکٹر ہی ہے۔

بزرگ کی نظر پروین اور ساریکا کی طرف مڑ گئی۔ انھوں نے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا ”تم بہت بہادر بچے ہو!“

تبھی ساریکا بولی ” نانا جی دیکھیے کون آیا ہے“۔

نانا جی نے اپنی نظر پھیر کر دیکھا جدھر ساریکا نے اشارہ کیا تھا۔ انھوں نے ایک دو بار آنکھیں جھپکیں۔ کیوں کہ جو وہ دیکھ رہے تھے اس پر انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

ساریکا کی ماں سسکتے ہوئے بابو جی کے پیروں سے لپٹ گئی۔

”بابو جی“۔ وہ روتے ہوئے بولی۔ ”بابو جی! میں آ گئی ہوں“۔

”میرا داماد کہاں ہے؟“ بزرگ نے جذباتی ہو کر پوچھا۔

ساریکا کی ماں نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر سسر کے پیر چھو لیے۔

اپنے داماد کو آشیرواد دیتے ہوئے بزرگ بولے۔
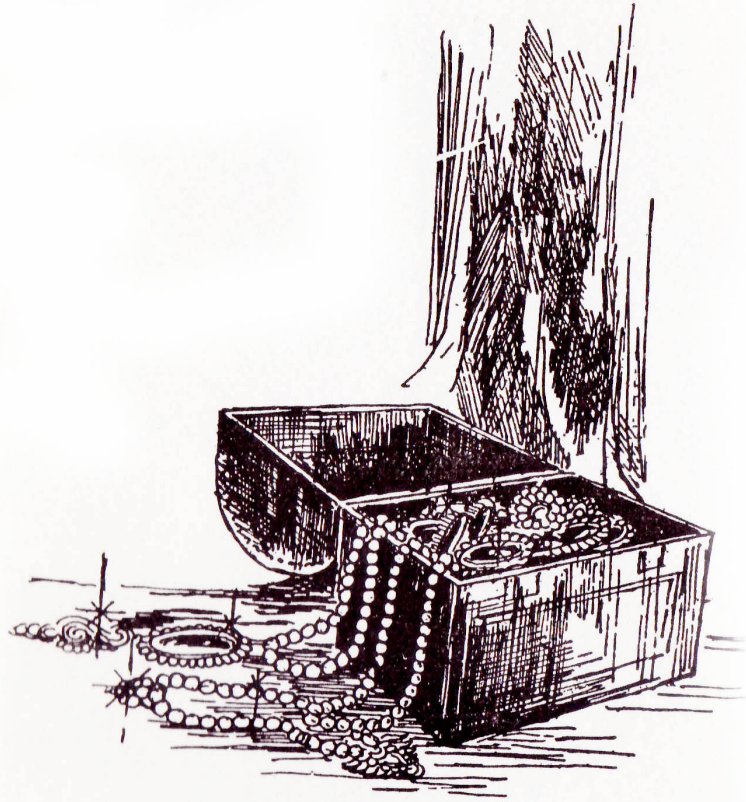
بیٹے تم بہت قسمت والے پتا ہو۔ تمھارے بچے بہت اچھے اور بہادر ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے آنکھیں بند کر لیں اور چین کی سانس لی۔ جلد ہی وہ گہری نیند میں سو گئے۔ ان کے ہونٹوں پر پُرسکون مسکراہٹ تھی۔